ہفت روزہ

8/29

خدام الدین لاہور

بیادگار

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۶ نومبر ۱۹۶۲ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا يَغِيْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ اَرَءَيْتُمْ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَغِضْ مَا فِىْ يَمِيْنِهٖ قَالَ وَعَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ بِيَدِهِ الْاُخْرٰى الْمِيْزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ۔

(رواہ احمد والشیخان والبیہقی والاربعہ)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کا دستِ مبارک ہمیشہ پُر ہے فیاضی کرنے سے خشک نہیں ہوتا۔ شب و روز انعامات کی بارشیں برساتا رہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب سے اس نے زمین و آسمان بنایا ہے بھلا کتنا خرچ کیا ہوگا اس پر بھی اس کے دستِ مبارک میں کوئی کمی نہیں آئی اور آپؐ نے فرمایا کہ (پہلے) اس کے عرش اور پانی کے درمیان کچھ نہ تھا۔ (پھر بعد میں مخلوق پیدا ہوئی) خدا تعالیٰ کے دوسرے ہاتھ میں میزانِ عدل ہے اُسے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

تشریح :- یہ خدائے قدوس کے خزائن اور اس کی فیاضی کی تفہیم ہے تاکہ اس کی محتاج مخلوق میں اس کی طرف ایک فطری انجذاب پیدا ہو جائے۔ اس کا عرش جہاں تھا اب بھی وہاں ہے لیکن پہلے درمیان میں کوئی اور مخلوق نہ تھی پانی ہی پانی تھا اب آسمانؔ زمین بن گئے اس لئے اس کے نیچے بجائے پانی کے آسمان کہا جائے گا۔ جامع ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سمٰوات پر اب بھی ایک سمندر ہے اور اس سمندر پر عرش عظیم ہے اگر محدثین اس روایت کو صحیح مان لیں تو پھر یہاں پانی سے یہ پانی مراد لے لینا اچھا ہے۔ حدیث میں اس کو بحر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر یہ وہ بحر نہیں ہے جس کی حقیقت ہم کو معلوم ہو۔ بہرکیف حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ پہلے عرش پانی پر رکھا ہوا تھا پھر کہیں اور اٹھا کر رکھا گیا ہے۔ بلکہ صرف اس کا بیان ہے کہ پہلے اس کے نیچے کیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ پانی یہی پانی ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ جس کو جامع ترمذی کی روایت میں بحر کہا گیا ہے وہ پانی مراد ہو۔ یہاں حدیث میں دستِ قدرت کے ایک ہاتھ کو یمین یعنی مبارک کہا گیا ہے۔ دوسرے ہاتھ کو اُخریٰ سے تعبیر کیا گیا۔ یسار کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ مشکوٰۃ میں یہ تصریح ہے کلتا یدی الرحمٰن یمین رحمٰن ہر جہت سے پاک ہے۔ اسلئے اس کے دونوں ہاتھ یمین و مبارک ہیں۔ وہاں دایاں یا بایاں نہیں۔ بعض رُواۃ نے اُخریٰ کی بجائے یسریٰ کا لفظ کہہ دیا ہے۔ یہ یقیناً راویوں کا اور روایت بالمعنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عالم غیب کے حقائق ادا کرنے کے لئے جب نطاقِ الفاظ تنگ ہونے لگتا ہے۔ تو عقولِ انسانیہ اسے معاف نہیں کرتیں یا پھر اپنے ادراک کے مطابق اس کی شکل و صورت اختراع کرنے لگتی ہے۔ ورنہ سرے سے انکار کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان بیرونِ عقل و فکر کو اپنے میزانِ عقل و فکر میں تولنا چاہتا ہے حالانکہ اس کو اپنی عقل کا قصور معلوم، پھر اپنی قوت حافظہ و مخلیہ کا قصور معلوم، اس پر قوت واہمہ کا تصادم معلوم، اس کے باوجود جب اس کے سامنے معاملاتِ ربانیہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اپنی ہی عقل و فکر کی تقلید کرنے لگتا ہے۔ کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ جو خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق بتلایا ہے اُسے وہ بے چون و چرا مان لیتا اور اپنے اس فکر کی تقلید نہ کرتا جو اسی کے خیال کا مقلد ہے اور جس کا خیال اس کے حواس کا مقلد۔

(الیواقیت صفحہ ۹۸-۹۹)

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ مَا فِيْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ لَوْ عَلِمْتُمْ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّلَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ عَلٰى اَعْلَى الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ رضؓ وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اِنِّیْ شَجَرَةٌ تُعْضَدُ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ :- ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچر آواز کر رہا ہے اور اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ اس میں چار انگشت برابر بھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ میں پڑا نہ ہو اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو رویا بہت کرتے اور ہنستے کم، اور اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوتے۔ اور خدا کی طرف شور مچاتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ اے کاش! میں ایک درخت ہوتا (جو جڑ سے) کاٹ دیا جاتا۔ (کہ حساب کا خطرہ نہ رہتا)۔

تشریح :- جو بات یہاں شروع میں بطور مقدمہ ارشاد ہوئی ہے وہ تمام عالمِ غیب پر ایمانؔ ایقان کی روح ہے۔ یعنی عالمِ غیب ایک ایسا عالم ہے جو ہمارے حواس کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اس لئے رسولؐ اس عالم کی جو چیز بھی دیکھتا یا سنتا ہے وہ سب کچھ ہمارے لئے اسی کے اعتماد پر قابلِ تسلیم ہونا چاہئے۔ یہ عقلی بحث و تمحیص کا میدان نہیں سماع و مشاہدہ کا مقام ہے۔ یہ رسولؐ کا ہی ظرف ہے کہ وہ اس عالم کے خوفناک سے خوفناک مناظر کو دیکھتا اور تحمل کر لیتا ہے۔ ابوذرؓ جیسا صحابی اس جہان کا ایک مجمل سا حال صرف سُن پاتا ہے تو اپنی موت کو حیات پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عالمِ غیب عوام کی نظروں سے کیوں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نہ ہر علم ہر مخاطب کے قابل ہے نہ ہر تماشہ ہر ایک کے دیکھنے کے لائق۔ پھر جب رسولؐ جیسا قلب و بصر تمہیں میسر نہیں تو اس سے جھگڑو مت۔ اور جو وہ کہتا ہے بس اسے مان لو۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

ترجمہ :- تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

فون نمبر ـــــــ ۶۷۵۴۵

جلد ۸ | ۱۷ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۸۲ھ | شمارہ ۲۹
بمطابق ۱۶ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

پاکستان و ہندوستان میں

سالانہ ـــــــ ۱۱ روپے
ششماہی ـــــــ ۶ روپے
سہ ماہی ـــــــ ۳ روپے
فی پرچہ ـــــــ ۲۵ پیسے

• سعودی عرب • کویت • ایران
• افریقہ • ملایا
• ہانگ کانگ • انگلینڈ
کیلئے
سالانہ چندہ،
عام ڈاک سے
ـــــ ۸۷ء۱۶ روپے ـــــ
ہوائی ڈاک سے
ـــــ ۰۰ء۴۵ روپے ـــــ

ـــــ امریکہ ـــــ
عام ڈاک سے
ـــــ ۲۴ روپے ـــــ
ہوائی ڈاک سے
ـــــ ۸۰ء۸۴ روپے ـــــ

ـــــ نوٹ ـــــ
اشتہارات کی ذمہ داری مشتہرین پر ہوگی

پاکستان کی خارجہ پالیسی

قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک جتنی حکومتیں اس مملکت خدا داد میں برسرِ اقتدار آئیں سب کی سب سامراجی ممالک کی حلیف و ہمنوا تھیں۔ جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے کام آنے کا پیمانِ وفا بھی انہوں نے آپس میں باندھ رکھا تھا اور فوجی معاہدوں کا کاغذی رشتہ بھی ابھی تک بہرحال استوار ہے۔ لیکن بھارت کی نمائشی غوغہ آرائی سے متاثر ہو کر سامراجی قوتیں اس کی دستگیری کے لئے کچھ اس طرح لپکی ہیں کہ جیسے وہ کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت پہلے ہی سے اس کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔

پھر بھارت نوازی میں امریکہ و برطانیہ نے اس حد تک تجاوز کیا ہے کہ پاکستان سے کئے گئے مواعید بھی پسِ پشت ڈال دیئے اور کارپردازانِ حکومت کے احتجاج کو بھی یکسر نظر انداز کر دیا اور نہ صرف یہ کہ پاکستان کے احتجاج پر کان نہیں دھرے، بلکہ پاکستان سے کئی گنا زیادہ امداد بھارت ایسے نام نہاد غیر جانبدار ملک کو دے کر پاکستان کی غیرت کے منہ پر عبرت ناک طمانچہ بھی رسید کیا ہے۔

اگرچہ ہم ابتدا سے ہی ان کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی حقیقت سے بے خبر نہیں تھے لیکن موجودہ صورتِ حال نے تو ان کی ساری قلعی کھول کر رکھ دی ہے اور اب فوجی معاہدوں کا بڑے سے بڑا حامی بھی کسی مزید خوش فہمی میں مبتلا نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ بھارت چین کے خلاف سامانِ جنگ جمع نہیں کر رہا بلکہ کشمیر پر اپنے غاصبانہ قبضے کو برقرار رکھنے اور پاکستان کو اپنی ہوسِ اقتدار کا نشانہ بنانے کے لئے ذخیرہ کر رہا ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو چین کے ساتھ بھارت کا کوئی جھگڑا نہیں اور نہ ان کے درمیان غیض و غضب کی کوئی آگ بھڑک رہی ہے۔

چین سے موجودہ چپقلش محض دکھلاوا ہے اور سامراجی ملکوں سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لئے ایک سٹنٹ سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر بھارت اور چین میں واقعی کوئی تنازعہ ہوتا اور دونوں ممالک میں جنگ کی سی صورتِ حال ہوتی تو اعلانِ جنگ کا ہونا ناگزیر تھا لیکن یہاں جنگ تو کجا سفارتی تعلقات تک بدستور قائم ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ بھارت اور چین میں کوئی جنگ نہیں۔ بھارت نے اقوامِ عالم کو فریب دینے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا ہے اور اس کی آڑ میں پاکستان کو بلیک میل کرنے کی ایک نادر کوشش کی ہے۔ لیکن پاکستان بھی موقع کی نزاکت سے غافل نہیں اور وہ بھارت کے ارادوں سے پوری طرح باخبر ہے۔

چنانچہ موجودہ حکومت نے اس سلسلے میں جو معقول اور باوقار رویہ اختیار کیا ہے وہ واقعی قابلِ ستائش ہے اور ہماری خواہش ہے وہ آخر دم تک اس پر قائم رہے

موجودہ پُر وقار روش اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ حکومت پاکستان کے لئے لازم ہے کہ وہ سامراجی قوتوں سے کئے گئے اُن فوجی معاہدوں کو بھی ختم کر دے جن کے بدلے میں پاکستان کشمیر سے تاحال محروم ہے۔ یہی معاہدات ہیں جن کے باعث اشتراکی بلاک نے پاکستان کو اپنا دشمن تصور کیا اور پاکستان کی پُر زور مخالفت کی۔ اگر یہ معاہدات نہ ہوتے تو وہ پاکستان کی اس قدر شدید مخالفت کبھی نہ کرتا۔ دوسری طرف ان معاہدوں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ پاکستان سامراجی بلاک کا آلۂ کار بنے اور جب کبھی سامراجی بلاک کو ضرورت ہو وہ پاکستان کو جنگ کی آگ میں ایندھن بنا کر جھونک دے لیکن اگر پاکستان کو امداد کی ضرورت ہو تو سامراجیوں کے لئے وعدے کی پابندی قطعی طور پر لازم نہ ہو۔

ظاہر ہے ان حالات میں پاکستان کو نہ تو امریکہ کا حاشیہ بردار بننے کی ضرورت ہے اور نہ روس کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر کھیلنا ہی اس کے لئے نتائج کے اعتبار سے مفید ہو سکتا ہے۔ غیر جانبدارانہ، باوقار اور موقع شناسی کی پالیسی اور خدا پر بھروسہ ہی پاکستان کو اس وقت کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اس مرحلہ پر وزیر خزانہ کے جرأت مندانہ اور دانشمندانہ بیان کو نظر انداز کرنا بھی ناقدر شناسی ہوگی۔ انہوں نے صحیح فرمایا ہے کہ کوئی قوم غیر ملکی امداد کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہم اپنے قومی مفادات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کریں گے۔ اگر امریکہ ہماری امداد بند کر دے تو یہ اقدام بھی انشاء اللہ پاکستان کے لئے رحمت ثابت ہوگا اور پاکستانی قوم اس کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے گی۔

وزیر خزانہ کے یہ الفاظ درحقیقت پاکستانی قوم کے جذبات کی سچی ترجمانی کرتے ہیں۔

حکومت کو چاہیئے کہ سامراجی ممالک کی حاشیہ برداری ترک کر کے باوقار اور غیر جانبدارانہ خارجہ پالیسی وضع کرے۔ اس کے بغیر اب کوئی چارۂ کار نہیں۔

مجلس ذکر

مورخہ ۸ر نومبر ۱۹۶۲ء بروز جمعرات بمطابق ۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ
جانشین شیخ التفسیر مولانا عبیداللہ انور مدظلہ نے مندرجہ ذیل تقریر مجلس ذکر کے بعد ارشاد فرمائی

خوفِ خدا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ذکر کے بعد اصلاح باطن کے لئے کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ نصیحتیں اور قیمتی باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم ان پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ حاصل کر سکیں۔ ہماری آخرت بھی سنور جائے اور دنیا میں بھی ہم سکون و چین کی زندگی گذار سکیں۔ چنانچہ میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تتبع میں حضرت ہی کے طریق کے مطابق کچھ معروضات پیش کر دیا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ ہدایت پر قائم رکھے اور عمل کی توفیق سے بہرہ ور کرے۔

آج کل فتنوں کا دور ہے۔ نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ طرح طرح کے رخنے دینِ حق میں پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی کو معدوم کرنے کی نت نئی سازشیں آئے دن معرضِ وجود میں آ رہی ہیں ان میں ایک فتنہ۔ فتنۂ انکارِ حدیث بھی ہے۔ منکرین حدیث کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو احادیث نبویہؐ سے دور کرکے آیاتِ قرآنی کی من مانی تشریح کریں اپنی نفسانی خواہشات کو بروئے کار لا سکیں اور موجودہ حالات میں ہر بے دینی اور بے حیائی کو دین کے نام پر رواج دے سکیں۔ اسی لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ منکرین حدیث منکر قرآن ہے۔ منکر قرآن خارج اسلام ہے۔ یعنی بے ایمان ہے۔ اور اسی حقیقت کے پیش نظر میں نے بھی یہ معمول بنا لیا ہے کہ ذکر کے بعد کوئی نہ کوئی حدیث نبویؐ پیش کرکے اس کی تشریح عرض کر دیا کرتا ہوں کہ شرکائے مجلس اور خدام الدین کے قارئین کے دل میں عظمتِ حدیث نقش ہوتی رہے اور ہم اس کی روشنی میں زندگی کی مسافت طے کر سکیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات ارضی و سماوی اور اس میں بسنے والی تمام مخلوق کے معلم اعظم، مبلغ اعظم، مزکی اعظم اور ہادی اعظم ہیں۔ جو ان کی اتباع کرے گا، ان کے نقوشِ قدم کو چراغ راہ بنائے گا، ان کے ارشاداتِ مقدسہ کو دل کی گہرائیوں میں اتارے گا۔ حدیثِ یار کے انوار سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا اور اسے حرزِ جاں بنائے گا کامیاب و کامران ہوگا۔ خدا کی رحمتوں اور توجہات خصوصی کا مرکز بنے گا اور دین و دنیا دونوں میں شادمان و شادکام ہوگا۔ جو ان کے طریق سے روگردانی کرے گا، آپ کے ارشادات سے سرمُو انحراف کرے گا، آپ کی سنت کے خلاف کرے گا اور آپ کی عظمت میں بال برابر فرق ڈالے گا نہیں نہیں فرق کرنے کا تصور بھی کرے گا تو خائب و خاسر ہوگا اور اللہ کے غضب کا سزاوار ٹھہرے گا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حضور علیہ السلام کا حقیقی اتباع اور آپ کے اقوال و افعال سے سچی محبت عطا فرمائے۔ ہمارے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں ہو اور سیرتوں میں سنت مصطفےٰ کے نقوش جھلکتے نظر آئیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:-

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُہَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں ہو اور جس حال میں رہو۔ خلوت میں جلوت میں، آرام میں یا راحت میں، رنج و غم میں یا سکھ میں ہر حال میں، تقویٰ کو شعار بناؤ یعنی خدا سے ڈرتے رہو۔ ہر برائی کے بعد (جو تم سے سرزد ہو جائے) نیکی کرو۔ وہ اس کو مٹا دے گی۔ نیز اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

محترم حضرات! آج مجھے دراصل مذکورہ حدیث اور اس میں بیان کردہ فرمان نبوی کی شرح اور تعلیم سے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا تھیں لیکن وقت ختم ہو جانے کے باعث میں حدیث کے الفاظ اور ترجمے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو صحیح معنوں میں انسان اللہ تعالیٰ کا خوف بناتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور حساب و کتاب کا ڈر انسان کے دل میں نہ ہو تو انسان حیوانوں اور درندوں سے بھی بدتر ہے۔ لیکن اگر انسان کو خوف خدا کے ساتھ ساتھ اخلاص اور استقامت کے دو پر بھی لگ جائیں تو وہ آسمانوں پر اڑنے لگتا ہے یعنی خداوند قدوس کے مقرب بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

اے اللہ ہمیں برائیوں کو نیکیوں سے مٹانے کی توفیق عطا فرما۔ عشق رسول اور اتباع نبویؐ کی دولت سے بہرہ ور فرما اور ہمارا خاتمہ ایمان کامل پر فرما۔ آمین

خطبہ یوم الجمعہ ۔ جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ ۹ نومبر ۱۹۶۲ء

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝

شفقت علی المخلوق اور ہمدردیٔ خلق

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بزرگان محترم!

ہمدردیٔ خلق اور کمال نفع رسانی مسلمان کی مابہ الامتیاز خوبی اور شانِ خصوصی ہے۔ اسلام کا تمدن پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے دنیا میں آ کر اخوت انسانی کو قائم کیا

اور نہ صرف سرزمین عرب میں بلکہ تمام عالم اسلام میں یگانگت اور یک جہتی کی روح پھونک دی اور ساری دنیا کو اپنے دائرۂ اثر میں لا کر مشرق و مغرب کا تفرقہ مٹا دیا اور شمال و جنوب اور رنگ و نسل کا امتیاز اٹھا دیا۔ چنانچہ اسی منشاء کی تکمیل کے لئے کعبہ کا حرم محترم نماز کا قبلہ بنا اور حج کا مرکز بن کر بیت اللہ کے لقب سے ممتاز و مفتخر ہوا ورنہ اسلام کا خدا جا و جہت کی قید سے اور مکان و زمان کی بندش سے ارفع ہے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کی قومی ہمدردی عالم اسلام سے گزر کر تمام دنیا پر محیط ہو گئی۔ اور مسلمانوں کا ابرِ لطف و کرم اقوام و ممالک پر اتنا برسا کہ بلا تمیز مذہب و ملت اور دوست و دشمن سب سیراب ہوئے۔ فیض کا دریا رواں ہوا۔ بغض و عناد کی آگ ٹھنڈی ہو گئی، خودغرضی و نفاق خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ کبر و نخوت کا نام و نشان نہ رہا اور اسلام کی اخوت و ہمدردی کا بحرِ بے پایاں اقصائے عالم کو محیط ہو گیا۔ اسلام نے تمام بنی آدم کو بھائی بھائی ٹھہرایا۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کو مسلمانوں کا شعارِ خصوصی قرار دیا ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت، مظلوموں، کمزوروں، بیکسوں، غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور مسافروں کی امداد و دست گیری اور فلاح و بہبود کو اسلامی زندگی، حتیٰ کہ دشمنوں تک سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً تاکید ہے (اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ) ظلم کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ پس دشمنوں پر کسی طرح کی ظلم و زیادتی نہ کرو کہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہو۔ ضعیفوں اور کمزوروں کو مت ستاؤ کسی کے علماء و ائمہ سے تعرض نہ کرو اور سب ہی کی ہمدردی و بھلائی کے خواہاں اور اس میں سرگرم عمل رہو۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو سے کون ناآشنا ہے کہ آپ اپنوں اور بیگانوں حتیٰ کہ تمام مخلوقِ خداوندی کے لئے کس قدر مہربان تھے۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ اعلانِ نبوت سے بھی پہلے آپ نہایت درجہ قومی ہمدرد اور ملکی خیر خواہ تھے۔ عرب قبائل کی اصلاح و ترقی کا خیال آپ کو بچپن سے تھا اور آپ انسانیت کو اوجِ کمال پر دیکھنے کے ابتدا ہی سے خواہش مند تھے۔ اکثر اوقات آپ کو بری عادتیں اور حیوانی خصلتیں دیکھ کر اس قدر صدمہ ہوتا تھا کہ آپ اپنی بے بسی کے خیال سے بے اختیار رو پڑتے یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کی مظلومیت انہیں خون کے آنسو رلاتی اور آپ تمام مظلوموں کی خدمت و امداد کرنے میں نہ صرف خود ہر وقت کمربستہ رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے تھے۔ اگر آپ کسی ظالم آقا کو اپنے غلاموں پر ظلم و سختی کرتے دیکھتے تو آپ کا دل بھر آتا۔ اور آپ نہایت دل نشین پیرایہ میں اسے سمجھاتے اور ظلم سے باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

بنی امیہ کا ایک امیر اپنی لونڈی کو مار رہا تھا۔ آپ نے اس امیر کو اس ظلم سے منع کیا تو وہ کہنے لگا کہ آپ کو میری لونڈی کے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق حاصل ہے آپ نے فرمایا کہ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ مظلوموں اور بیکسوں کی امداد و دستگیری کرے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو مارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موقع پر آ گئے۔ آپ نے فرمایا "ابوذر! جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے"۔ ابوذرؓ زمین پر گر پڑے۔ غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری یہ نخوت نکل جائے۔

چنانچہ آپ کی حیات طیبہ میں خدمت خلق کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں، جن سے ہمدردی مخلوق کے اعلیٰ سبق ملتے ہیں۔ اور آپ کی ذات تمام خدمت خلق کا مجسم نمونہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں (خیر الناس من ینفع الناس) تم میں سے سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو مخلوقِ خدا کو نفع پہنچائے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ خدا اس بندہ پر رحم نہیں کرتا جو اس کی مخلوق پر رحم نہ کرے۔

اسلام کا شاندار اصول تمدن

چونکہ انسان قدرتی طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور اسلام کا مشن اخوتِ انسانی، عالمگیر ہمدردی اور خدا کی مخلوق کو خدا کے زیر سایہ لانا ہے اس لئے وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنا پسند کرتا ہے۔ اور اسی میں اس کی دل بستگی ہے مگر ساتھ ہی اس کو اپنے ابنائے جنس سے خود غرضی کے ہاتھوں صدہا تکلیفیں اور اذیتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر مذہب نے باہمی برتاؤ کے چند اصول مقرر کئے تاکہ عالم کا انتظام درست رہے اور انسان مل جل کر سلوک و رواداری کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ مگر تمام دوسرے مذاہب افراط و تفریط کے باعث ان کو پوری طرح سے نہ نباہ سکے۔ اسلام نے جو اصولِ تمدن بیان کئے ہیں وہ ہر لحاظ سے اعلیٰ، ارفع اور اکمل ہیں۔ جس کو شک ہے وہ چھان پھٹک کے دیکھ لے۔ اسلام کا بہت بڑا اصول جس کے اہتمام سے دنیا اور آخرت کے بکثرت فائدے ملتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس کی ذات سے لوگوں کو آرام پہنچے

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

"ایک فاحشہ عورت صرف اس وجہ سے بخشی گئی کہ اس نے ایک کنوئیں کے دہانے

پر ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور مارے پیاس کے مرنے کو تھا۔

عورت نے اپنا موزہ اتار کر دوپٹے سے باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکالا اور کتے کو پلایا۔ اللہ جل شانہ' نے اس نیکی کے عوض اسس کو بخش دیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ضعیف و درماندہ اور بیکس و آفت رسیدہ مخلوق پر رحم کرنا اجر عظیم اور مغفرت کا مستحق بناتا ہے۔ جب ایک کتے کی جان بچانے سے ایک بدکار عورت بخشی جا سکتی ہے تو جو شخص کسی انسان اشرف المخلوقات سے نیک سلوک اور ہمدردی کرے گا وہ کیوں نہ بخشا جائے گا ——— سچ ہے۔

کسے باسگاں خیر را گم نہ کرد!
کجا گم کند خیر با نیک مرد

ایک شخص نے کسی بزرگ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حال گذرا؟ ۔ انہوں نے کہا جب میں پروردگار کے سامنے حاضر ہوا تو ارشاد ہوا، کونسی نیکی ہماری بارگاہ میں لایا ہے؟ عرض کیا بارِ الٰہا ستر حج میں نے پا پیادہ کئے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ میں نے ان میں سے تو ایک بھی قبول نہیں کیا۔ میں بہت گھبرایا اور یقین ہو گیا کہ اب میں ضرور دوزخ میں بھیجا جاؤں گا۔ لیکن قربان جایئے اس کی کریمی و رحیمی اور بندہ نوازی کے کہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک نیکی تیری قبول کی ہے۔ تو ایک دن کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں کانٹا پڑا تھا جو تو نے اس خیال سے راستے سے ہٹا دیا کہ کسی بندۂ خدا کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ کام چونکہ تو نے خالص ہماری رضامندی کے لئے کیا تھا اس لئے ہم تجھے بخشے دیتے ہیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شفقت علی المخلوق اور ہمدردیٔ خلق کا کتنا بڑا درجہ اور کتنی بڑی نیکی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہمدردِ خلق لوگوں کی شان میں ارشاد باری ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۔

اور لوگوں میں سے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بھی دے دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا جب اللہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے تو تم کو بھی خلقِ خدا پر مہربانی کرنی چاہیئے۔

تعلیمات اسلامی کا کمال دیکھئے کہ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ مخلوق کو نفع اور آرام پہنچانے میں نیت خالص رضائے الٰہی کی ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ کسی عوض اور اُس کے سر پر احسان رکھنے کی۔ اسی بنا پر ارشاد باری ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔

اے ایمان والو! تم اپنی نیکیوں کو
احسان جتلانے اور لوگوں کو تکلیف
دینے سے خراب مت کرو۔

برادرانِ محترم! اگر ہم مسلمان اس نصیحت پر کاربند ہو جائیں۔ تو ہمارے اندرونی اور بیرونی فسادات بند ہو جائیں۔ اسوۂ حسنہ کے اجرا کی غرض ہی یہ ہے کہ مسلمان ہمدردِ خلق ہوں۔ ان کے دل میں مخلوق خداوندی کے ساتھ نفع رسانی کا خیال مستحکم ہو۔ اور وہ نوع انسانی کے خیر خواہ ہوں۔

لیکن افسوس ہماری رگوں میں خود غرضی کا اثر سرایت کر رہا ہے۔ ہم جس کسی کے ساتھ کوئی برتاؤ کرتے ہیں تو غرض اپنی مطلب براری ہوتی ہے۔ حالانکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا نقطۂ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ ہم مخلوقِ خدا کی جو ہمدردی اور خدمت کرتے ہیں وہ محض اس لئے ہے کہ یہ مخلوق ہمارے رب کی اور معبود کی پیدا کردہ ہے۔

کاش مسلمان اس شاندار اصول اور اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو جائیں اور مخلوق خداوندی کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ تو ہماری ساری مصیبتیں اور نکبتیں دور ہو جائیں اور مخلوق خدا جو حقیقی امن و چین اور سکون و راحت کو ترس رہی ہے۔ دوڑ دوڑ کر اسلام کے سایے میں آئے۔

آیئے اس کا تجزیہ اپنے ملک سے شروع کریں۔ تمام اختلافات کو بھول کر خدا کے دین کی اشاعت تبلیغ احکام الٰہی اور مخلوقِ خدا کی ہمدردی کو شعار بنائیں اور پھر دیگر ممالک کو اس کی دعوت دیں۔

اللہ عزوجل ہمیں اس تعلیم پر کاربند رہنے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین یا اللہ العالمین۔



عورتوں کا صفحہ

تقدیر

مسرت
لاہور

شکوہ

دنیا میں تقدیر کو حیاتِ انسانی سے گہرا تعلق ہے یہی وجہ ہے کہ اگر تقدیر کے آثار انسانی زندگی یا خواہشات کے منافی ہو جائیں تو تمام انسانی زندگی میں تردد کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ شاید آپ حیران و ششدر رہیں گے کہ ایسی کونسی تبدیلی ہے جو میری زندگی سے متعلق ہے اور ایک متحرک زندگی مصائب سے دب کر منجمد ہو گئی ہے۔ میں مصائب دنیا سے تنگ آ چکی ہوں۔ میری عمر اتنی نہیں کہ بڑی کہلانے کی مستحق سمجھی جاؤں لیکن جیسے دنیا میں کمسنی میں ٹھوکروں کا شکار ہونا پڑے ایسے تلخ اور تکلیف دہ تجربات کے بعد سوچنے اور غور کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ میرے جیسے وجود کے لئے دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ ماضی کے ایام میں میں ہنستی کھیلتی اور خوشیوں سے بھرپور زندگی گذار رہی تھی لیکن اب اس کے متضاد ظلم و ستم اور مصائب کو اگر یکجا کیا جائے تو کہنے پر مجبور ہوں کہ دنیا نام ہے مصائب، الم اور غم کا جس کی میں آماجگاہ ہوں۔

میری کہانی بڑی عجیب و غریب ہے اور مصائب سے معمور ہے ایک رات میں اچھی بھلی تندرست سوئی، صبح کو بیدار ہوئی تو قوتِ سماعت سے محروم تھی اور میری تمام تر خوشیوں کا جنازہ نکل چکا تھا۔ بس پھر دنیا کی سب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ جس سکول میں چند روز پہلے متعلم کی حیثیت سے جایا کرتی تھی بہری ہونے کی وجہ سے میرا نام تک خارج کر دیا گیا اور ہیڈ مسٹرس نے کہہ دیا "اگر سنتی نہیں تو گھر بیٹھ"۔ جہاں جاتی ہوں عام و خاص، عزیز و اقارب مجھ سے احتراز کرتے ہیں سب چھوٹے بڑے انگشت نمائی کرتے اور ہر سوسائٹی میں مجھ سے نفرت کی جاتی ہے "سماعت" سے محروم کیا ہوئی ہوں گویا ترقی و کامرانی کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔ اب یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اسی حالت عاجزانہ میں تمام عمر والدین پر بوجھ بنی رہوں گی کسی چیز سے معذور ہونے کے ساتھ اتنی طاقت ہونا ضروری ہے جس سے اس دنیا کے مصائب کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یا اللہ تو کسی کو معذور نہ کر اگر کرتا ہے تو اس دنیا کو ہدایت دے کہ وہ مصیبت زدہ کو طعنہ زنی نہ کریں۔

اب مجھے سوجھتا ہے کہ چیخ پڑوں، "واہ رے انسان! تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اعراض و روگردانی کرتا ہے تو اپنی عاقبت کو فراموش کئے ہوئے ہے جب عذاب کا نزول ہوگا تو شاید مجھ سے زیادہ دکھیا ہونا پڑے"۔

میری ایک عزیزہ ہیں اُن کے گھر میں مجھے بولی (بہری) پکارتے ہیں میں ہنس دیتی ہوں کہ میری تقدیر میں یہی تھا تو ان کا کیا قصور ہے۔ اب میرے لئے ایک ایک دن پہاڑ سے کم نہیں ہے آپ کی دنیا خوش و خرم اور مسرتوں سے بھرپور ہے۔ مگر میری دنیا خاموش ہی خاموش ہے بارش ہوتی ہے، بادل گرجتے ہیں اس سے زیادہ میری آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں اور میرا دل پھٹتا ہے۔ یا الٰہی! تو قادر و کریم ہے مجھے قوتِ "سماعت" دوبارہ عطا فرما تو چاہے تو مجھے زندہ درگور کر سکتا ہے۔ یا الٰہی! میری جوانی پر رحم کر۔

گلیوں میں بچے خوش و خرم کھیل رہے ہیں اور میرا ننھا منا بھائی مجھے پکارتا ہے باجی! باجی! اسے کیا معلوم باجی اب اس کی آواز نہیں سن سکتی۔ وہ مجھے زور سے جھنجھوڑتا ہے اور کہتا ہے: "کیا سکول نہیں جاؤ گی" میں اس کا ہاتھ محسوس کر کے خالی آنکھوں سے اس کی طرف تکتی ہوں تو وہ رونے لگتا ہے اس وقت میرا جی چاہتا ہے کہ میرے کان پھٹ جائیں اور تمام دنیا کی آواز میرے کانوں میں سما جائے کہ میں اپنے ننھے بھائی کی آواز، ماں کے شفقت بھرے الفاظ، اباجی کی محبت بھری باتیں، سہیلیوں کے قہقہے اور بہنوں کی گفتار سن سکوں، کتنی آرزوئیں ہیں اور کتنی تمنائیں! آپ حضرات بھی میرے لئے دعا کریں۔ (مسرت لاہور)

جوابِ شکوہ

(ادارہ کی طرف سے)

ادارہ کو عزیزہ سے پوری ہمدردی ہے اور اس سے بھی اتفاق ہے کہ تقدیر کو انسانی زندگی سے گہرا تعلق ہے لیکن ساتھ ہی یہ نہ بھولنا چاہیے کہ انسانی تدبیر کو بھی تقدیر سے گہرا تعلق ہے۔ اور ایسی تدبیر بھی پہلے سے مقدر ہوتی ہے۔ عزیزہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بھید کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس آزمائش میں کیا پوشیدہ ہے۔ انسان چونکہ ضعیف البنیان ہے اور اسی کمزوری کے باعث مصائب کو اپنے لئے زحمت سمجھتا ہے اور خدا کا شکوہ کر بیٹھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ جسے وہ زحمت خیال کرتا ہے شاید حقیقت میں رحمت ہو اگر انسان اپنے خالق کا ہی شکوہ کرنے لگے تو پھر شنوائی کہاں ہوگی۔ دراصل خالق بڑا رحمان اور رحیم ہے اور ہر وقت رحم ہی کرتا ہے۔ اس ذات کا شکوہ موزوں نہیں بلکہ صبر و دعا اور تدبیر سے ہر مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور ہمیشہ پُر امید رہنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:- لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (ترجمہ) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

لہٰذا کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ مزید فرمایا:۔ "ولا تایئسو من روح اللہ۔ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون"۔ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور بے شک اللہ کی رحمت سے انکار کرنے والے ہی ناامید ہوتے ہیں پارہ ۱۳، رکوع چوتھا۔

انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت ایوبؑ حضرت سلیمانؑ، حضرت یونسؑ اور خود آنحضرتؐ پر کتنی مصیبتیں آئیں لیکن یہ راہنمایانِ دین کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے بلکہ ان بزرگانِ دین نے آزمائش پر صبر و شکر سے بہت کچھ پایا ہے۔ پچھلے ایک شمارہ میں حضرت ایوبؑ اور مائی رحمتؓ کا واقعہ عزیزہ کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اسلام میں مایوس ہونا بدترین گناہ ہے۔ اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمام تر ظاہری نعمتوں سے محروم ہیں پھر بھی مایوس نہیں۔ وہ اپنی زندگی کو کامیاب و کامران اور ہشاش بشاش بسر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنی باقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خوش لیسری سے عمر گذارتے ہیں۔ اندھے گونگے، کوڑھی وغیرہ سے تو عزیزہ کی حالت اچھی ہے اور صرف "سماعت" سے محروم ہے۔ باقی ماشاء اللہ دل و دماغ، بصارت، قوتِ گویائی، صحت وغیرہ وغیرہ کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ تندرست تو درکنار اگر مریض اور معذور بھی خدا کی نعمتوں کا حساب کرنے لگے تو نہیں کر سکتا:۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ؕ

ترجمہ: اور اللہ کی نعمتیں اگر شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے۔

ویسے ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیئے۔ فتح ہو یا شکست ہر تدبیر سے دکھ کو دور کرنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ دراصل یہ تدبیر اور کوشش بھی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جانے کے مترادف ہے اس ضمن میں کسی قابل ڈاکٹر کے مشورہ سے ظاہری تدبیر بھی کرنی چاہیئے۔ آج کل سائنس اور ایجادات کا دور ہے۔ ایک "آلہ سماعت" ملتا ہے وہ ضرور خریدنا چاہیئے۔ اور اپنی تعلیم جاری رکھنی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو عزیزہ کو چاہیئے کہ گونگے اور بہروں کا سکول لاہور میں موجود ہے اس سے استفادہ کرے اگر وہاں تعلیم کے لئے جانا پسند نہ کرے تو کشیدہ کاری اور گھریلو دستکاریوں سے اپنی زندگی خوشگوار بنائے اس طرح اپنے والدین پر بوجھ نہیں بن سکتی نیز قرآن کا گہرا دلی مطالعہ کرے۔ ترجمہ سمجھ کر پڑھے انشاء اللہ سب دکھ دور ہو جائیں گے اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوگا کہ صبر نصیب ہو جائے گا ہماری دعائیں اس کے ساتھ ہیں لیکن بے صبری درست نہیں۔

ناظرین کرام سے بھی استدعا ہے کہ عزیزہ کے حق میں خلوص دل سے بارگاہ ایزدی میں دعا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ عزیزہ کی "سماعت" واپس عطا فرمائے۔ کسی دکھیا کے حق میں دعا کرنا بھی نیکی ہے کسی دکھیا کو دیکھ کر انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ وہ خود ظاہری آزمائش سے محفوظ رہے۔

حضرت سعدیؒ لکھتے ہیں ایک دفعہ میں گرمی کے دنوں میں تپتے ریگستان سے گذر رہا تھا، پاؤں جل رہے تھے، آبلے پڑ چکے تھے۔ اور میرا برا حال ہو گیا تھا حرف شکایت زبان پر آیا کہ یا خدایا میرے پاس جوتا بھی نہیں رہا۔ اُفتاں و خیزاں جامع مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے جس کے پاؤں ہی نہیں ہیں۔ فوراً سجدہ میں گرا اور کہا شکر ہے جوتا نہیں تو خیر پاؤں تو ہیں۔ دعائے خیر اور آزمائش سے گنہگاروں کے گناہ کٹتے ہیں اور نیکو کاروں کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ یوں تو ہر تکلیف کا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر بندے کے کانٹا بھی چبھے۔ خدا کی رحمت سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ عزیزہ کو مذہبی کتابوں کے بغور مطالعہ سے بھی سکون مل سکتا ہے اور گھریلو دستکاری میں مہارت اور کشیدہ کاری سے بھی دنیا بہتر بن سکتی ہے اگر انسان اس طرف طبیعت لگائے تو مفید نتائج نکل سکتے ہیں اور پھر مسرت کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر شکوہ شکایت پر اتر آئے تو سراسر خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ہوگا۔

موجودہ دور کی جلوہ نمائی اور سحر طرازی کی بجائے حضرت بی بی رحمتؓ زوجہ حضرت ایوبؑ حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت رابعہ بصریؒ اور حضرت صابرؒ کلیر شریف والے کی زندگی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور صبر و شکر سے کام لینا چاہیئے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (ترجمہ: اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) اور کیا چاہیئے۔ جس کو اللہ ساتھی بنائے۔ نیز پارہ ۲۷ سورۃ حدید کے تیسرے رکوع کی ایک آیت کا ترجمہ یوں ہے انسان پر دنیا میں جو بھی تکلیف یا مصیبت آتی ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے اس لئے جو نقصان ہوتا ہے اس پر شکوہ شکایت یا جزع فزع جائز نہیں اور اس کا غم بھی نہ کھاؤ اور جو کچھ مقدر سے ملے اس پر اترانا بھی درست نہیں کیونکہ اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا نیز ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے کہ جب انہیں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے بندے ہیں اور ہم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی سلامتی اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔ (پارہ دوم رکوع دوسرا)

دعا ہے کہ خدا عزیزہ کو سماعت دے اور ہم سب کے حال پر رحم فرمائے۔ (ثم آمین)

حضرت یوسف علیہ السلام

مؤلفہ فخر الدین صدیقی عُفی عنہ (جنرل سیکرٹری)

مجلس تہذیب اسلامی بیرون کشمیری دروازہ لاہور کے زیر اہتمام باغ بیرون کشمیری دروازہ لاہور میں حضرت مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی نے ۲۸ اکتوبر بروز اتوار سوا چار بجے شام درس قرآن کریم کی افادیت کے پیش نظر حاضرین کو مستفیض فرمایا۔ خدام الدین میں اس کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا

۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد

الٓرٰ قف تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ قف إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ق وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ لَّقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَن يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ج وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

سورہ یوسف پارہ ۱۲ رکوع ۱ / ۱۱

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی کا تاکہ تم سمجھ لو، ہم بیان کرتے ہیں۔ تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو چاند کو دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے۔ کہا اے بیٹے نہ بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب، البتہ شیطان ہے انسان کا صریح دشمن۔ اور اس طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب، اور سکھلائیگا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر، جیسا پورا کیا ہے، تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر البتہ تیرا رب خبردار ہے، حکمت والا۔ البتہ اس یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لئے جب کہنے لگے البتہ یوسف، اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے۔ ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں۔ البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے۔ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ خالص رہے تم پر تمہارے باپ کی اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ، بولا ایک بولنے والا ان میں مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈال دو اس کو گمنام کنویں میں کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر، اگر تم کو کرنا ہے، بولے اے باپ کیا بات ہے۔ کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا۔ یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ بھیج اس کو ہمارے ساتھ کل کو خوب کھائے اور کھیلے۔ اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں۔ بولا مجھ کو غم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت ور تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔ پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنویں میں اور ہم نے اشارہ کر دیا اس کو تو جتائے گا ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے۔ اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے۔ کہنے لگے اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس۔ پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا۔ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم سچے ہوں اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے تم کو تمہارے نے ایک بات۔ اب صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔

چونکہ گذشتہ اتوار کو حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیلاً بیان کر چکا ہوں لہذا اب آیات کی مختصراً تشریح کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔

سورہ یوسف جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نازل ہوئی اس میں کل ایک سو گیارہ آیات، اور بارہ رکوع ہیں۔ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام لے کر سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پیشن گوئی کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ عوام الناس اسے سمجھ سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں پر کسی خاص زبان کی طرف اشارہ نہیں فرما رہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نہایت ہی سلیس، جامع اور آسان زبان میں اتارا گیا ہے۔ چنانچہ اس (قرآن) کی آیات ایک ایسی کتاب کی ہیں جو آئندہ کے حالات و واقعات کھول کھول کر بیان کرتی ہے۔

اللہ رب العزت حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بتانے سے پیشتر جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے لئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے آپ بالکل بے خبر ہیں۔ چنانچہ خواجہ عبدالحی صاحب نے اس آیت کی تشریح کرتے وقت لوگوں

کو عقیدۃً یہ بات سمجھائی کہ حضور نبی کریم کو اسکا علم نہ تھا اور اگر بالفرض انہیں علم ہوتا تو یقیناً آپ اس واقعہ سے آگاہ ہوتے۔ اس لئے آپ ہمیشہ وہ احکام خداوندی لوگوں کو بیان کرتے جو آپ پر وحی کے ذریعے نازل ہوتے تھے۔ یہ بجا ہے کہ قبل ازیں یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں موجود تھا لیکن اس کی حقیقت محض ایک افسانے سے زیادہ نہ تھی لیکن قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بالتفصیل صاف اور موثر انداز میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ نتائج کی طرف اشارہ بھی کیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ لڑکپن میں حضرت یوسف علیہ السلام ایک خواب دیکھتے ہیں۔ جس میں چاند، سورج اور گیارہ ستارے یوسف علیہ السلام کے آگے سربسجود ہوتے ہیں چونکہ ابھی آپ بچے ہی تھے تو آپ نے اپنا سارا خواب اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہہ سنایا۔ آپ کے والد ماجد اللہ کے اولوالعزم نبی تھے۔ تو آپ خواب سن کر اس کی تعبیر سمجھ گئے کہ پروردگار عالم حضرت یوسف علیہ السلام کو نبوت و حکومت سے سرفراز فرمائے گا۔ چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے پرانے حالات زندگی یاد تھے اور جانتے تھے کہ ان کے بھائی نے کس طرح آپ کو علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کی بنا پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھایا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا۔ کیونکہ شیطان ان میں ضرور رخنہ اندازی کرے گا اور بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف کر دے گا۔ تب تم ان سے بالکل محفوظ رہو گے تو پروردگار عالم تجھے "تاویل الاحادیث" یعنی باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھلائے گا اور تجھ پر اپنی رحمت و عنایت کرے گا۔ جیسا کہ اس سے پہلے اللہ رب العزت نے ہمارے بڑوں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام پر اپنا احسان کیا تھا۔ اور فرمایا کہ یقیناً تیرا رب بڑی حکمت والا اور جاننے والا یعنی ہر ایک چیز سے باخبر ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں حکم ہے کہ بیشک یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں عقل مندوں کے لئے بیشمار نشانیاں مضمر ہیں۔ تاکہ لوگ انہیں جان کر اپنے آپ کو صحیح عملی جامہ پہنائیں۔

چونکہ حسد ایک بڑی بلا ہے اور اس کی آگ انسان کو اندھیرے غار تک پہنچا دیتی ہے اور یہ حسد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں پیدا ہوتا ہے اور وہ آپس میں کڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے والد کو کہتے ہیں کہ تو ہم سب سے بڑھ کر یوسف اور اس کے بھائی کو زیادہ چاہتا ہے۔ حالانکہ ہم ان دونوں سے زیادہ قوت رکھتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا باپ غلطی پر ہے۔ چنانچہ وہ آپس میں مل کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے یا کسی دور دراز ملک میں پھینک دینے کا ارادہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد ہمارے باپ کی تمام تر توجہ ہماری طرف ہی مرکوز ہو کر رہ جائے گی۔ اور بعد میں ہم اپنے اس کئے ہوئے فعل یعنی یوسف کو قتل کرنے یا کسی ملک میں چھوڑ آنے کی معافی مانگ لیں گے اور صالح بن جائیں گے۔

اس واقعہ کے پیشِ نظر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نوجوانوں کو عام طور پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جوانی کے عالم میں جی بھر کر کھیل کود بھی کریں اور گناہ بھی کریں لیکن بڑھاپے میں اپنے اپنے افعال و اعمال کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کر لیں گے اور شاید ممکن ہے کہ بعد میں اللہ تبارک و تعالیٰ توبہ کرنے کی توفیق ہی نہ دیں۔ اس لئے اس پر تکیہ لگانا کافی نہیں ہے سچ کسی نے کہا ہے کہ:

"در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری"

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے علاتی بھائی بھی اپنی تدبیروں میں مصروف تھے۔ لیکن اللہ کی تدبیر کے آگے سب ہیچ ہیں۔ انہوں نے آپس میں مل کر مشورہ کیا کہ یوسف کو کسی گمنام کنوئیں میں پھینک دینا چاہئے۔ تاکہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر آئے گا اور اسے نکال کر لے جائے گا اور اسی مشورہ پر کاربند ہو کر باپ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ ہم کل سیر کی غرض سے باہر جا رہے ہیں تو یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ بھی چرے اور پھل وغیرہ کھائے، لیکن باپ راضی نہ ہوا آخرکار بولے کہ تو ہم پر یوسف کے متعلق ذرا بھی بھروسہ نہیں کرتا۔ حالانکہ ہم تو اس کے خیرخواہ ہیں۔ آخر باپ نے اجازت دے دی لیکن دلی طور پر وہ بھیجنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کہیں تمہاری عدم موجودگی میں اسے کوئی بھیڑیا وغیرہ نہ کھا جائے۔ مجھے اس سے ڈر نظر آتا ہے۔ تو کہنے لگے کہ اے باپ باوجود اس کے کہ ہم طاقت ور ہیں، ایک مضبوط جماعت ہیں ہمارے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا وغیرہ کیسے کھا سکتا ہے۔ آخرکار حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے گئے۔

اب حکمت خداوندی دیکھئے وہ سفر کے دوران اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں تو خداوند کریم حضرت یوسف علیہ السلام کو متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ تیرے پیش آنے والا ہے تو سب کچھ ان کو جتا دے گا اور وہ تجھے اس وقت نہ جانیں گے۔ آخرکار وہ حضرت یوسف کو وادی دوتین میں ایک خشک کنوئیں میں پھینک دیتے ہیں اور واپس گھر آ کر روتی صورت میں اپنے والد کو کہتے ہیں کہ ہم دوڑنے بھاگنے میں مصروف تھے۔ اور یوسف ہماری چیزوں کی نگرانی کر رہے تھے اتنے میں بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ جو کسی جانور کے خون سے آلودہ تھا باپ کے سامنے پیش کیا۔ اور اپنی صفائی بیان کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ اے باپ تو ہم پر اعتبار نہیں کرتا۔ حالانکہ ہم تو بالکل ہی سچے ہیں۔ حضرت یعقوب کے سامنے اپنا مکر و فریب اور جھوٹ صریح بیان کرتے ہیں۔ آخر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے اور صرف تم نے مکاری اور فریب کیا ہے۔ اچھا اب صبر ہی بہتر ہے۔ میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں تاکہ وہ تمہارا فریب ظاہر کرے۔ اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کر بھی کیا سکتے تھے۔ (باقی آئندہ)

دنیا میں صرف اسلام ہی اخوت و مساوات کا پرچار کرتا ہے

حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب صاحب مدظلہ ———— (مرسلہ) ایم عبد الرحمٰن لودھیانوی

اسلام دنیا میں تعصبات یا فرقہ وارانہ کشیدگیاں اور دھڑے بندیاں کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ وہ ان تفرقوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے اور نہ صرف اخلاقی ہی طور پر بلکہ اصولاً اور قانوناً بھی۔ یعنی وہ اپنی اصولی اور قانونی حیثیت میں بھی اختلاف اور جتھے بندیوں کا سرچشمہ نہیں بلکہ اتحاد ذات البین اور اس سے آگے بڑھ کر بین الاقوامی اتحاد کا پیغام لے کر آیا ہے۔ پس اختلاف خود اس کا ثمرہ نہیں بلکہ اس سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہے۔ فرقے بنتے ہی ہیں اس سے ہٹ جانے اور اسے چھوڑ دینے پر، اس نے دعویٰ کیا ہے کہ جب ابتدائے آفرینش میں دنیا کے انسان مجھے پکڑے ہوئے تھے تو امت واحدہ تھے اور ان میں کوئی فرقہ داریت نہ تھی لیکن بعد میں جب انسانوں نے میری رسی چھوڑ دی اور خود رائی پر آگئے تو فرقے بن گئے پھر بھی میرے ہی داعیوں نے ان کی فرقہ داریت کو مٹانا چاہا اور بہت کچھ مٹایا بھی۔ مگر بعض نے مانا اور بعض نے نہ مانا اور دعوت رد کر کے اپنے اسی انتشار اور پراگندگی پر جمے رہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵ پ۲، ع۱۰

ترجمہ: سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشخبری سناتے تھے اور ان کے ساتھ کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ میں فیصلہ فرما دیں اور اس کتاب میں اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے۔ باہمی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

پھر انسانی ازل کی طرح انسانی ابد کے بارہ میں بھی اسی نے دعویٰ کیا کہ دنیا بالآخر پہلے کی طرح آخر میں بھی مجھے ہی پکڑے گی اور لوگ مجبور ہو کر اور ہر طرف سے تنگ آ کر میرے ہی دامن میں پناہ لیں گے تو پھر وہ امت واحدہ بن جائیں گے۔ اور ان کی یہ فرقہ بندیاں مٹ جائیں گی۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللهُ الْاِسْلَامَ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَّذُلِّ ذَلِيْلٍ قَالَ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

ترجمہ: زمین کی پشت پر کوئی مٹی اور کپڑے کا گھر باقی نہ رہے گا کہ اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ کر دے خواہ عزت والوں کی عزت، وشوکت سے یا ذلت والوں کی ذلتوں سے تنگ ہو کر۔ راوی نے کہا پھر تو دنیا میں پورا دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے گا یعنی نہ کوئی فرقہ رہے گا اور نہ کوئی مسلک باقی رہے گا۔

پس ایسی نعمت سے آپ کیوں ڈرتے ہیں جو دنیا سے فرقہ داریت کو نیست و نابود کرنے کے لئے آئی ہے اور جس نے ماضی میں ایسا کر کے دکھلایا بھی ہے اور مستقبل کے لئے اسی کی پیشگوئی بھی کی ہے جو یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔

پس جبکہ آپ کا دعویٰ اور مقصد بھی فرقہ داریت کو مٹانا ہے تو آپ اسلام کی تکذیب یا اس سے بے اعتنائی کر کے خود اپنی تکذیب کر رہے ہیں، اور خود اپنے ہی کو بھولتے جا رہے ہیں اس لئے اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسلام فرقہ داریت کو ہوا تو کیا دیتا وہ تو آپ کی اس اصطلاحی جمہوریت اور عوامیت کی آخری حد کو بھی ناکافی جمہوریت بلکہ فرقہ داریت کہتا ہے۔ کیونکہ اس کی جمہوریت ان بناوٹی جمہوریتوں سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر ہے۔ آپ کے یہاں تو فرقہ داریت صرف یہ ہے کہ مذہب کے نام پر کوئی سیاسی جماعت کھڑی ہو کر پارلیمنٹری سیاست لڑائے اور اس سے ایک ملک کے مذہبی فرقوں میں کشیدگی اور کشمکش شروع ہو جائے کیونکہ یہ رقابت اور پھوٹ آپ کے نزدیک ملک کے لئے مضر ہے۔

لیکن اسلام کہتا ہے کہ اگر تم نے وطن کے نام پر تمام مذہبی فرقوں کو جمع بھی کر لیا اور وہ کسی حد تک ہم آہنگ بھی ہو گئے تو جبکہ آج کل کے بین الاوطانی (وطنوں کے درمیان) وسائل حیات اور ہمہ گیر ایجادات و مخترعات کے دور میں کسی ملک کی سیاست بھی محض داخلی اور مقامی معاملات کی حد تک نہیں ٹھہر سکتی بلکہ امور خارجیہ، بین الاقوامی اور بین الاوطانی سیاست ہی پر جا کر رکتی ہے تو ظاہر ہے کہ جب ہر ملک اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر معاملات کا تصفیہ چاہے گا تو لامحالہ دونوں ملکوں کے مفادات کسی نہ کسی مرحلہ پر ٹکرا کر ان میں باہم وطنی رقابت پیدا کر کے رہیں گے اور اس صورت میں اگر مذہبی نہیں تو وطنی فرقہ داریت نمایاں ہو جائے گی جو بالآخر اسی کشیدگی اور جنگ و جدال پر منتج ہوگی۔

اس لئے اسلام ایسی وطنی جمہوریت کو بھی فرقہ داریت ہی کہے گا کیونکہ نتیجہ میں یہ وطنی فرقہ داریت اس مذہبی فرقہ داریت سے کم نہیں ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ اسلام کی لائی ہوئی جمہوریت دنیا کی ان جمہوریتوں سے بہت بلند اور علی الاطلاق ہمہ گیر ہے اس کا مقصد تو یہ ہے کہ دنیا میں سارے انسان بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں۔ نہ مذہبی فرقہ داریت ہے نہ وطنی فرقہ داریت اور نہ ہی اور کسی قسم کی فرقہ داریت قائم رہے بلکہ پوری دنیا ایک ہی عالمگیر ملک اور ایک ہی فطری ہمہ گیر نقطہ پر آ جائے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللهِ شَهِيْدًا۔ پ۲۶ ع۱۲

(ترجمہ) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ

اس نے اپنے رسول کی ہدایت اور
سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو
تمام دینوں پر غالب کر دے اور
اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔

پس آپ اسلام کے نام سے ڈریں نہیں اور گھبرائیں نہیں۔ اس کا نصب العین اس فرقہ داریت کو ہوا دینا نہیں جو انسانوں سے انسانوں کا خون ناحق کراتی ہے بلکہ اس کو جڑ سے اکھیڑنا ہے اور نہ صرف ایک ہی قسم کی فرقہ داریت کو مٹانا ہے بلکہ عادتاً دنیا میں جتنی نوع کی بھی مہلک اور خونخوار فرقہ داریتیں ہو سکتی ہیں ان سب کو ختم کر کے ایک ایسی عالمگیر جمہوریت کا فطری نظام قائم کرنا ہے جس میں ساری دنیا کے مسلمان مل جل کر بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں ایک نظام میں منسلک ہوں ان کی حکومت بھی عالمی ہو اور مسلک بھی عالمی، وہ اقوام نہ ہوں بلکہ قوم واحد ہوں۔ اور ان کے وطن کے ٹکڑے نہ ہوں بلکہ ساری دنیا وطن واحد ہو سیاستہً بھی ایک ہو اور دیانتاً بھی ایک ہو۔

اسلام نے یہ دعویٰ کیوں کیا؟

کسی عصبیت یا خوش اعتقادی کے طور پر نہیں بلکہ اپنے عالمگیر اصول کے بل بوتے پر، اس نے اصولاً ایک ایسی عالمگیر برادری کا پتہ دیا جس میں تمام انسان، انسانیت کی حیثیت سے بھائی بھائی ہو جاتے ہیں اور یہ مصنوعی اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے جو دنیا کو مختلف رنگ کے فرقوں میں بانٹے ہوئے ہے۔

دنیا میں سب سے پہلی فرقہ داریت اور گروہ بندی نسب کے بل بوتے پر ہوتی ہے ایک طبقہ اپنے آپ کو سورج کی اولاد کہتا ہے اور دوسرے کو سیاہ توے کی، ایک اپنے آپ کو خدا کے منہ سے نکلا ہوا بتلاتا ہے اور دوسرے کو پاؤں کے نیچے سے پیدا شدہ۔ اس لئے اپنے آپ کو اونچ کہتا ہے اور دوسرے کو نیچ۔ اس کے پاس بیٹھنے سے عار کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر عبادت کرنے سے پرہیز کرتا ہے، اس کے ہاتھ سے کھانا گوارا نہیں کرتا، اس کے سایہ سے بھاگنا ضروری خیال کرتا ہے۔ نسبتی شرکت میں پرہیز کرتا ہے اور اس طرح دو قوموں میں اونچ نیچ سے چھوت چھات پیدا ہو جاتی ہے اور دو طبقے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا اور منقطع ہو جاتے ہیں گویا وہ دونوں ایک نوع کے افراد ہی نہیں رہتے بلکہ ایک نوع آسمانی تھی اور ایک زمینی۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر فرقہ داریت کا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک انسانی طبقہ دوسرے طبقہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائے اور انسانی برادری کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ اگر کسی مسلک اور کسی مذہب میں یہ اصول موجود ہوگا تو وہ جمہوریت تو کیا جمہوریت کے نام سے بھی آشنا نہ ہو سکے گا وہ انسانوں کو ملائے گا تو کیا ہمیشہ ان کے ٹکڑے کرتا رہے گا جس سے جمہوریت کے بجائے انفرادیت بلکہ انقطاعیت کے جراثیم ان میں پرورش پاتے رہیں چہ جائیکہ وہ عالمی حکومت یا عالمی مسلک دنیا کے سامنے لائے۔ یہ نسبی برتری اور اونچ نیچ انسانوں کا ایک طبعی جذبہ تھا جو دنیا میں پھل پھول رہا تھا اور دنیا ٹکڑے ٹکڑے تھی نہ مذاہب اس سے روک رہے تھے نہ قومیں بلکہ اس کو اپنا پیدائشی حق سمجھے ہوئے تھے کہ اچانک اسلام نے اپنا پہلا اصول اس نسبی فرقہ داریت کو مٹا کر نسبی یکسانی پیدا کر دینا قرار دیا تاکہ دنیا کے انسان ایک دوسرے کے قریب آ جائیں اور ان میں ایک ہمہ گیر اشتراک عمل پیدا ہو۔ اس نے اعلان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى (پ ۲۶ ع ۱۴)

ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے
تم کو ایک مرد (آدمؑ) اور ایک
عورت (حوّا) سے پیدا کیا۔

ایک ماں باپ کی اولاد ہی کو بھائی بھائی کہا جاتا ہے اور ان بھائیوں ہی کے درمیانی رشتہ کا نام اخوۃ اور برادری ہے اسلام نے ساری دنیا کے انسانوں کو اسی رشتۂ اخوت کا پابند اور اس سے جکڑا ہوا بتلایا نہ کسی کو سورج کی اولاد کہا اور نہ کسی کو کالے توے کی، نہ کسی صنف انسانی کو خدا کے منہ سے پیدا بتلایا اور نہ کسی کو پاؤں کا پامال کردہ، بلکہ سب کو ایک ماں باپ کی اولاد کہہ کر انہیں ایک دوسرے کا مساوی اور ہمسر بتلایا جن کی انسانیت میں کوئی باہمی تفاوت اور اونچ نیچ نہیں۔ غور کیا جائے تو یہ اخوت، مساوات سے کہیں زیادہ اونچا مقام رکھتی ہے کیونکہ عرفی مساوات کے معنی قانون میں برابری کے ہیں، یعنی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات سے بھی اونچ نیچ نہ ہو بلکہ ذات پات کی اونچ نیچ ہوتے ہوئے قانون کی مساوات زیادہ نمایاں اور قابل قدر اور قابل مدح ہوتی ہے۔ مساوات سے انسانوں کی یکسانی ثابت نہیں ہوتی۔ قانون کی یکسانی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اخوت کے معنی ہی عدم تفاوت کے ہیں۔ کیونکہ اخوۃ کہتے ہیں ایک اصل کی چند فروع کو جو ایک اصل میں شریک ہوں اور ایک ماں باپ کی اولاد سے ہوں اور ظاہر ہے کہ جب تمام انسان ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ٹھہرے تو ان میں اونچ نیچ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر پھر بھی وہ اونچ نیچ ہوں تو وہ ایک اصل کے باقی نہیں رہ سکتے۔ پس اسی یکسانی، برابری اور ایک اصل کا نام اخوۃ ہے۔ اور اسی کے معنی بھائی بھائی ہونے کے ہیں پس قرآن نے اس آیت میں سارے انسانوں کو بھائی بھائی کہہ کر ایک عالمگیر برادری اور حقیقی مساوات کا سبق دنیا کو پڑھا دیا اور ان کے درمیان سے منافرت کی بیخ و بنیاد اکھاڑ کر پھینک دی۔ کیونکہ منافرت اور وحشت دو جنس اور دو نوعوں کے افراد میں ہو سکتی ہے۔ ایک نوع کے افراد اور ایک اصل کی دو شاخوں میں وحشت اور نفرت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ مجانست (ہم جنس ہونا) موانست (غمخواری) کی جڑ ہوتی ہے نہ کہ منافرت کی۔ پھر قرآن نے تو دنیا کے سارے انسانوں کو بھائی بھائی ہی بتلایا تھا جس سے ان سب کا ایک اصل ہونا واضح ہوا تھا۔ حدیث نبوی نے اور آگے بڑھ کر ان سارے انسانوں کو یک جوہر بھی ثابت کیا ہے۔ ارشاد ہوا۔

كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ

ترجمہ: تم سب کے سب آدم کی
اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے
گئے ہیں۔ یعنی تمہارا جوہر خلقت بھی
ایک ہی ہے۔ اور وہ مٹی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب مادہ خلقت اور جوہر قوام بھی سب اقوام کا ایک ہی ہو تو عقلاً یا طبعاً اقوام عالم میں کوئی وجہ نفرت باہمی کی باقی نہیں رہتی بلکہ موانست باہمی کی بھی انتہائی حد آ جاتی ہے جس سے ایک کے درد کا دوسرے کو محسوس کرنا امر طبعی ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اسی حقیقت کو نظم کا لباس پہنایا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

پس جو قومیں انسانوں کو یک جوہر یا یک اصل نہیں بتلاتیں وہ دنیا میں کبھی بھی حقیقی جمہوریت کی علمبردار نہیں ہوسکتیں جن کے یہاں انسانوں کا کوئی طبقہ سورج کی اولاد ہو اور کوئی پیروں کی مٹی سے پیدا شدہ ہو، ان کے یہاں اونچ نیچ ہی نہیں چھوت چھات بھی لازم ہوگی۔ جن کے یہاں گورے کو کالے پر پیدائشی برتری ہو اور رنگ و روپ اُن کے یہاں مابہ الامتیاز ہو جن کے یہاں انسانوں کی کوئی ایک اصل نہ ہو بلکہ انسان کسی جنگل میں پودوں کی مانند زمین سے اُگ آئے ہوں تو اُن کے یہاں باہمی جذب و کشش کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب انسانوں میں پیدائشی طور پر اونچ نیچ، چھوت چھات، برتری اور کہتری، اجنبیت اور علیحدگی بتلائی جائے جو میل ملاپ یا اشتراک و یکسانیت اور مساوات کے پیر جمنے ہی نہ دے تو وہاں عالمگیر جمہوریت کے نام لینے کے کوئی معنیٰ ہی نہ ہوں گے اور پھر بھی لیا جائے گا تو وہ دنیا کو دھوکہ دہی ہوگا جو کبھی شرمندۂ عمل نہ ہوگا۔ یورپ عالمگیر جمہوریت کا دعویدار ہے اور اس نے بلاشبہ تمدنی وسائل کو عالمگیر بنا ہی دیا ہے مگر پھر بھی وہ عملاً اُسے چلا نہیں سکتا کیونکہ وہاں کالے گورے کا فرق اور خون و نسب کی جوہری تفریق کا جذبہ موجود ہے اور وہ کسی ایسے مسلک پر اعتقاد نہیں رکھتا جو اُن کی روحوں اور دلوں میں حقیقی عالمگیر اور انسانی یکسانیت کا جذبہ پیدا کر دے اس لئے اس کا دعویٰ جمہوریت محض سیاسی مفاد کی حد تک آ کر رُک جاتا ہے اور زبانوں پر (رہ کر) حلق سے نیچے نہیں اُترتا چہ جائیکہ کسی مخلصانہ عمل کی داغ بیل ڈالے۔ ان کا سب سے بڑا عمل میدان کالوں کو اپنی سیاست پر پہنچانا اور دعوائے جمہوریت کر کرکے انہیں نیچ اور غلام بناتے رہنے کی سعی کرتے رہنا اور اپنے سیاسی منافع کے لئے ان کے جذبات سے کھیلنا بلکہ ان کے سکراتِ موت سے تفریح کرنا ہے اور بس۔

ہاں حقیقی طور پر وہ مسلک دنیا کے سارے انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے جو انہیں ایک جوہر بتلا کر ایک ماں باپ کی اولاد بتلائے اور ان میں رشتۂ یگانگت ہی نہیں رشتۂ اخوت ثابت کرکے ان کے باہمی تفرقوں کو مٹا ڈالے اور نسبی تفرقوں کو ختم کر دے جو انسانی جہالتوں کی ابتدائی فرقہ داریت ہے اور وہ اسلام کے سوا نہیں کوئی دوسرا مسلک نظر نہیں آتا۔

غور کیا جائے تو انسانوں میں یہ رشتہ، یگانگت و اخوت قائم کرکے اسلام نے مذہب ہی کا نہیں انسانیت کا احترام قائم کیا ہے اور ثابت کیا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ کسی حالت میں بھی نجس العین نہیں کہ وہ تو وہ اُس سے چھوٹی ہوئی چیز بھی نجس بن جائے انسان انسان ہے اور اُنس اس سے کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہوسکتا اس کے اعمال میں گندگی آسکتی ہے، اس کے خیالات ناپاک ہوسکتے ہیں مگر خود انسان اور انسانیت کا جوہر نہیں مٹ سکتا اور اس انسانیت کی حیثیت سے بہرحال وہ واجب الاحترام ہی رہے گا۔ اس کی انسانیت کبھی گندہ نہ ہوگی۔

اس لئے شریعت اسلام میں کسی انسان کا (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) پس خوردہ ناپاک نہیں اُس کا ہاتھ لگا ہوا تو کیا ہی ناپاک ہوگا۔ یہ وہی پاسداری اور نفس انسانیت کا احترام ہے ورنہ اگر اس کی ہاتھ لگی خشک یا تر چیز یا اس کا پس خوردہ نجس و ناپاک اور واجب الاحتراز بن جائے تو یہ درحقیقت اُس کے اصلی جوہر کی ناپاکی اور انسانیت کے گندہ ہونے کا دعویٰ ہوگا جس سے پھر کوئی انسان بھی پاک نہیں ٹھہر سکتا حالانکہ یہ دنیا کی اقوام کے اجماع کے خلاف ہے کوئی قوم بھی علی الاطلاق تمام انسانوں کو ناپاک نہیں ٹھہرا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام نے حائضہ کو چھو دینے یا اس کا پس خوردہ استعمال کرنے سے یا اس کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو ممنوع نہیں ٹھیرایا کیونکہ اس کی یہ ناپاکی حکمی ناپاکی ہے جو عبادات خاصہ کی حد تک موثر ہوتی ہے عورت کو نجس العین نہیں بنا دیتی کہ اُس کے سایہ سے بھی فرار اختیار کیا جائے یا جاہل عربوں اور یہودیوں کی طرح اس زمانہ میں اس کی جگہ، کھانا پینا سب الگ تھلگ کر دیا جائے اور اسے ایک اچھوت کی حیثیت سے پہلے انسانوں سے کاٹ دیا جائے کیونکہ یہ براہ راست انسانیت کی توہین ہے۔

ظاہر ہے کہ جو مذہب اور مسلک اپنے ابتدائی اصولوں میں سب اقوام عالم کو بلحاظ جوہر پاک بتلا کے سب کو یک جوہر کے سب میں برادری اور اخوت کا رشتہ ثابت کرکے سب میں سے مصنوعی اونچ نیچ ختم کرکے ان میں یکسانی اور برابری ثابت کرے اُن میں سے چھوت چھات مٹا کر باہمی میل جول اور معاملات کے راستے ہموار کرے۔ وہ اقوام عالم کو ملانے والا کہا جائے گا یا اُن میں فرقہ داریت اور کشیدگیاں پیدا کرنے والا سمجھا جائے گا اور آیا وہ سب کو ایک پلیٹ فارم پر لا سکتا ہے یا وہ جو ان میں چھوت چھات اونچ نیچ اور تفاوتِ جوہر کا قائل ہو؟

پس جب بھی دنیا بین الاقوامیت کی طرف آئے گی اور جب بھی وہ عالمی رشتہ اور عالمی یگانگت کا نصب العین لے کر کھڑی ہوگی تو اُس کے لئے چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے اس اصولی یک جوہریت اور یک اصلیت کو ماننے اور اس کے ذریعہ سے اقوام میں سے نفرت باہمی اور اونچ نیچ کا خاتمہ کرے ورنہ بین الاقوامیت تو بجائے خود ہے ایک قومیت کی سطح بھی ہموار نہیں رہ سکے گی اور ایک ہی قوم میں اتنے تفرقے اور اتنی نفرتیں ہو جائیں گی کہ اُن کا ایک پلیٹ فارم، ایک معبد، ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ میں جمع ہونا محال ہو جائے گا جیسا کہ اس قسم کی تنگ دل اقوام میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ آج ہر تعلیم یافتہ اور سمجھ دار خواہ وہ کسی قوم کا بھی ہو۔ ہمہ گیری اور عالمگیری کی طرف آ رہا ہے اور اس کے لئے ہر نوع کی اونچ نیچ کو ختم کرنے پر آمادہ ہے جو اسلام کی خاص تعلیم ہے اور وہی دنیا میں اس اخوت و مساوات یک اصلی اور یک جوہری کو لے کر آیا تھا۔

اس اونچ نیچ کے خاتمہ پر پھر بھی اگر فرقہ داریت اور باہمی کشیدگی نظر آتی ہے تو وہ مذہبی لائنوں سے آ رہی ہے اور اس لئے ہر ملک کی دنیا مذہبی لائن کو سیاسیات

سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کا یہ فعل معقول اور لائقِ تحسین ہے مگر ان ہی مذاہب کی حد تک جو یقیناً ان کشیدگیوں اور صد انواع فرقہ واریتوں کی تعلیم دیں یا اس کی ذمہ دار ہوں۔

لیکن جو مذہب بنیادی اور اصولی طور پر مال و دولت، اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے ہی آیا ہو، فرقہ داریت ختم کرنے اور رنگ و روپ، نسب و نسل، دولت و مال اور رسمی منصب و وقار کے تفرقے مٹانے کے لئے اور اس نے دنیا کے سامنے اصول ہی وہ رکھے ہوں جن کے ہوتے ہوئے فرقہ داریت کے جراثیم پل نہ سکیں تو اس کا کیا قصور ہے کہ اسے بھی ملک و ملت اور ان کے معاملات سے خارج کیا جائے؟ اور اگر آپ اسے خارج بھی کرتے ہیں تو وہ خارج ہوتا کب ہے؟ آپ فرقہ داریت کے مٹانے کے لئے جو اصول بھی اختیار کریں گے وہ اسی کا تو اصول ہوگا اس لئے آپ اس کا انکار کر کے بھی اس کا اقرار کریں گے اور اسے رد کر کے بھی اسے قبول ہی کریں گے۔ اگر آپ اونچ نیچ مٹائیں گے تو آپ نے عقیدۃً یا عملاً اس کی مخالفت کب کی اور اگر آپ اخوت و مساوات کا اصول لا رہے ہیں تو آپ دل و جان سے اسلام کی مخالفت کب کر رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ زبان سے مخالفت کر رہے ہیں جو دل سے الگ ہو کر بول رہی ہے تو اس کا اعتبار کیا ہے کہ وہ لائق توجہ ہو۔ قول محض جس کے ساتھ نہ عقیدہ ہو نہ عمل ہو۔ کب وقعت رکھتا ہے کہ اسے مانا جائے پس آپ اسلام کا نام لینے سے تو ڈرتے ہیں لیکن اس کا کام کرنے سے اور اس کو ماننے سے نہیں ڈرتے۔ پھر ایسی چیز سے بھاگنے اور ڈرنے سے کیا حاصل ہے جو آپ کا پیچھا نہ چھوڑے اور آپ کہیں بھی بھاگ کر جائیں وہ آپ کا پیچھا کرے اور وہیں جا پکڑے۔ پس کیا اچھا ہو کہ آپ زبان سے بھی اس چیز کے نام سے ڈرنا چھوڑ دیں جو آپ کے دلوں اور روحوں میں گھس چکی ہیں۔

قانونی مساوات

انسانوں میں انسانیت کی یگانگت اور یک جہتی کے بعد اگر تفرقہ پھیل سکتا ہے تو وہ قانونی تفاوت سے، کہ ایک قوم کے افراد کو مثلاً ایک عبادت گاہ میں برابری کے ساتھ جمع ہونے کا حق نہ ہو، قومی قانون کی کتاب کو یکساں سب کو پڑھنے کا حق نہ ہو، یکساں سننے کا حق نہ ہو، عبادت گاہیں مخصوص خاندانوں کا حق قرار دے دی جائیں، تعلیم گاہیں مخصوص خاندانوں کی ملکیت ہوں۔ علم مخصوص قبائل کا ورثہ ہو جس سے ہر ایک کو مساویانہ انداز سے استفادہ کا حق نہ ہو۔ دسترخوان اور اس کے ظروف عوام و خواص کو یکجا نہ کر سکیں کچھ آئینی طور پر شدھ ہوں اور کچھ قانوناً نیچ ہوں تو یقیناً ایسی قوم تفرقہ کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب میں جہاں نسلی اور نسبی امتیازات تھے وہیں عباداتی امتیازات بھی تھے۔ حج کے موقع پر عام لوگ تو عرفات میں وقوف اور قیام کرتے تھے لیکن اشرافِ عرب کا رتبہ اس سے بالاتر تھا وہ صرف منیٰ تک پہنچ کر رک جاتے تھے اور ان کی امتیازی شان عوام الناس کی برابری یا ان کے دوش بدوش عبادت گذاری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ گویا قانون مذہب ہی نے ان کو امتیازی حق دے کر ہمیشہ کے لئے عبادت کے دائرہ میں انہیں اونچ اور دوسروں کو نیچ بنا دیا تھا۔ یا جیسے نصاریٰ کے یہاں پاپائیت کے اقتدار کے دور میں حدود و قصاص اور تعزیرات چھوٹے لوگوں پر جاری کی جاتی تھیں لیکن بڑے لوگ قانون کی گرفت سے مستثنیٰ تھے گویا وہ قانون کی رو سے اونچ تھے اور دوسرے نیچ۔ کسی قوم میں ایک طبقہ روپیہ کمانے کے لئے مخصوص تھا اور ایک طبقہ اس سے محروم ہو کر ذلیل خدمات کے لئے وقف تھا۔ گویا ایک خلقۃً سرمایہ دار بننے کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اور ایک ہمیشہ نادار بننے کے لئے اسی کا نتیجہ تھا کہ ان اقوام میں باہمی تفرقے ہی نہ تھے باہم شدید نفرت تھی، ظلم و تحقیر کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور حرب و ضرب باہمی کے جراثیم رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے جس سے ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے کسی وقت بھی مامون اور مطمئن نہ رہ سکتا تھا۔ ایک طبقہ کی زندگی اجیرن تھی گویا وہ پیدا ہی اس پستی و دناءت کے لئے کیا گیا ہے اور ایک طبقہ مگن اور مطمئن تھا گویا وہ مخلوق ہی طمانیت اور بشاشت کے لئے ہوئی ہے۔

اسلام نے اس فرقہ داریت کو بھی نیست و نابود کرنے کا پیغام دنیا کو دیا جو قانونی اونچ نیچ سے پیدا ہوتی تھی۔ مثلاً اس نے کہا کہ علم کسی ایک خاندان کی میراث نہیں بلکہ بلا تفریقِ خاندان و نسل ضروریاتِ دین کی حد تک علم کا طلب کرنا ہر مسلم و مسلمہ مرد و عورت پر فرض ہے اور زائد از ضرورتِ عام فرض کفایہ، عبادت گاہوں میں محمود و ایاز برابر ہیں صفوفِ عبادت میں صدیقِ اکبرؓ اور ایک حبشی غلام یکساں ہیں۔ حدود و قصاص اور تعزیرات میں ایک عامی آدمی اور سید الرسل کی بیٹی برابر ہیں اگر خدانخواستہ پیغمبر کی بیٹی بھی فعل سرقہ کی مرتکب ہو تو اس کے ہاتھ بھی عوام کی طرح کاٹے جانے ضروری ہیں، حج میں دو کپڑے کا احرام شاہ گدا کے لئے برابر ہے، خواہ ایک عامی ہو یا سلطان ابن سعود ہو۔ دونوں کے لئے عرفات جانا بھی ناگزیر ہے اور ایک ہی نوع کے احرام میں ملبوس ہو کر وہاں ٹھہرنا بھی لازمی ہے، مالِ غنیمت سے اگر ایک چادر کسی عامی کا حق ہے تو اتنا ہی امیر المومنین کا بھی حق ہے ورنہ شبہ پر بھی ایک بدوی فاروقِ اعظم پر اعتراض کر سکتا ہے اور امیر المومنین کو جوابدہی لازم ہے قانونِ اسلام کی نگاہ میں سب کے حقوق برابر ہیں بہر حال فرقہ داریت اور قومی تفریق کی ایک بنیاد نسبی اور نسلی امتیازات تھے تو انہیں بھی اسلام نے ختم کر دیا اور ایک دوسری جڑ قانونی امتیازات تھے ان کی بھی بیخ کنی کر دی۔ آیت عنوان کے پہلے جملے (اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ) نے اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں بڑا وہ ہے جو خدا کے نزدیک پارسا ہو) سے قانونی امتیازات کو ختم کر دیا جس کے معنی مساوات کے ہیں یعنی جو اس قانون تقویٰ و دین پر زیادہ چلے گا وہی عند اللہ بڑا ہوگا جو اس سے ہٹا رہے گا وہی ذلیل رہے گا جس کا حاصل سب پر قانون کی یکساں پابندی اور سب پر قانون کا یکساں حکمران ہونا نکلتا ہے۔ پس نسبی تفوق اخوت سے ختم ہو جاتا ہے اور قانونی تفوق مساوات سے جاتا رہتا ہے۔ اور اخوت و مساواتِ انسانی اسلام ہی کا خاص اصول ہے۔

اسلامی تاریخ کا ایک ورق

ایک شاہی مہمان

سعید الرحمٰن اعظمی

ہم اس وقت سلاطین بنی امیہ کے شاہی محل دارخضراء میں ہیں اور ۸۶ھ کا وہ زمانہ ہے جو اموی حکومت کا سب سے زرّین اور تابناک عہد شمار کیا جاتا ہے اس وقت ولید بن عبدالملک کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ ڈور ہے، جس نے مشرق و مغرب کے بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنی سیاست و ہوشمندی کے آگے سرنگوں کر دیا اور جس کے ہاتھوں اجتماعی عدالت و انصاف کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہا جس کی مثال اس عہد کے دوسرے خلفاء کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ولید بن عبدالملک نے پوری قوم کو ایک خاندان بنا دیا، جہاں ہر ایک خوشحال اور مسرور تھا، اس نے ساتویں صدی عیسوی میں وہ کارنامہ انجام دیا جس کو آج بیسوی صدی کی بڑی بڑی حکومتیں بھی نہیں کر سکیں۔ اس نے غربت و افلاس اور بیماری وجہالت کا خاتمہ کیا۔ مریضوں کی مردم شماری کرائی۔ مریضوں کے لئے علاج و معالجہ کا بہتر سے بہتر انتظام کیا۔ ان کے لئے خادم اور دیگر سہولتیں مہیا کیں۔ اندھوں کو راستہ بتانے والے خادم، یتیموں کے لئے مدارس اور تعلیم کا نہایت معقول انتظام حکومت کی طرف سے ہے۔ جہالت اور ناخواندگی کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء اور فقہا کے وظیفے مقرر کئے۔ اسی خلیفہ نے بھیک مانگنے اور دست سوال دراز کرنے کو قانوناً روکا۔ اور فقرا اور محتاجوں کے لئے پناہ گاہیں بنوا دیں۔ جہاں ان کے لئے زندگی کی ساری ضروریات مہیا کی جاتی تھیں اور آخرکار اس زمانے کے فقیر بھی مالدار ہو گئے۔

یہ قصر سلطنت ہے جس کو دارخضراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن آج اس محل پر ایک عجیب اداسی چھائی ہوئی ہے اس کا کونہ کونہ غمگین ہے اور اس کے ذرہ ذرہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہیں آج اس محل میں مسرّتوں کا راج نہیں ہے اور نہ انبساط و شادمانی کے نغمے ہیں۔ آج اسی محل کا ایک معزز مہمان بیمار ہے۔ اس کی بیماری کی خبر سن کر بڑے بڑے اطباء محل میں آچکے ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے تجربات اور معلومات کے مطابق مریض کی تشخیص اور علاج میں مصروف ہے۔

آپ سوچیں گے کہ یہ بیمار مہمان یقیناً بادشاہ کا کوئی قریبی عزیز ہی ہوگا یا ہو سکتا ہے۔ محل کا کوئی شاہزادہ ہو جس کے لئے بادشاہ اس قدر غمگین و متفکر ہے ورنہ ضرور یہ کسی دوسرے ملک کا بادشاہ ہوگا یا پھر شاہی لشکر کا کوئی بڑا کمانڈر ہوگا، جس کے بیمار ہو جانے سے سارے محل پر رنج و غم کے بادل چھا گئے ہیں اور خوشی و مسرت کی تمام آوازیں دب کر رہ گئی ہیں۔

لیکن یہ بیمار مہمان کوئی شاہزادہ نہیں اور نہ کوئی بادشاہ یا کمانڈر ہے بلکہ یہ مدینہ کے ایک جلیل القدر عالم ہیں اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ اس خاندان سے ہیں جس نے ایک عرصہ تک بنی امیہ کی مخالفت کی ہے اور ان کے مقابلے میں بغض و عداوت کا علم بلند کیا ہے۔ یہ اس خاندان سے ہیں جس نے تخت و تاج کے معاملے میں بنی امیہ سے جنگ تک کی ہے۔ یہ خاندان آلِ زبیر کا ہے اور یہ جلیل القدر عروہ بن زبیر ہے۔ عبداللہ بن زبیرؓ مقتول خلیفہ کے حقیقی بھائی۔ لیکن عروہ اپنے علم و تقویٰ اور زہد و پرہیزگاری کی وجہ سے خلافت کی اس لڑائی میں اپنے بھائی کا ساتھ نہ دے سکے۔

ایک دن کا ذکر ہے حضرت معاویہ بن سفیانؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے دونوں بھائی، عروہ اور مصعب بن زبیر اور ان کے ساتھ عبدالملک بن مروان حرم کی میں جمع تھے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی تمنّا کا اظہار کیا۔ مصعب بن زبیر نے کہا میری تمنّا ہے کہ شام و عراق پر میری حکومت ہو جائے اور قریش کی دو خوبصورت عورتیں سکینہ بنت حسینؓ اور عائشہ بنت طلحہؓ میرے حبالۂ عقد میں آجائیں۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ مجھے خلافت ملے اور میں حرمین کا مالک بن جاؤں، عبدالملک بن مروان نے کہا: میری خواہش ہے کہ مجھے حضرت معاویہ کی گدی نصیب ہو اور میں پوری دنیا پر حکمرانی کروں۔ لیکن عروہ بن زبیر نے یہ سب کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے بڑی سادگی سے یہ کہا کہ میں تو ان میں سے کسی بات کا اہل نہیں ہوں۔ میں صرف اس بات کی تمنا رکھتا ہوں کہ علم کی دولت نصیب ہو جائے اور میں جنت میں داخل ہو سکوں۔

اس واقعہ کو گذرے ہوتے ابھی چند سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ تاریخ نے دیکھا ہر ایک اپنی اپنی تمنّا کے مطابق منصبِ حکومت پر فائز ہوا۔ مصعب بن زبیرؓ کو شام و عراق کی حکومت ملی اور ان دونوں عورتوں سے ان کی شادی بھی ہوئی۔ عبداللہ بن زبیر بھی خلیفہ ہوئے اور ان کو حجاز و عراق، مصر و شام کی سلطنت میسر آئی اور قریب تھا کہ وہ دمشق پہنچ کر تخت سلطنت پر سرفراز ہو جاتے اگر ان کی قسمت میں اسی راہ میں شہید ہونا نہ لکھا ہوتا اور ان کی جگہ پر عبدالملک بن مروان نہ آگئے ہوتے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہونے کے بعد اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر کسی جنتی شخص کو دیکھنا ہو تو عروہ کو دیکھ لو۔

یہ وہی عروہ ہیں مدینہ کے سات مشہور عالموں میں ایک جلیل القدر عالم، ایک نیک نفس اور فرشتہ خصلت انسان ہر رات چوتھائی قرآن نوافل میں پڑھنے کے انتہائی پابند تھے۔ کھجوروں کی فصل میں اپنے باغ کا ایک دروازہ کھول دیتے تاکہ جس کا جی چاہے وہ بلاتکلف وہاں جا کر تازہ کھجوریں کھائے اور لے جائے۔

یہی وہ آج خلیفہ کے مہمان ہیں۔ ان کے پیر میں ایک ایسا زخم ہو گیا ہے جس کا علاج ناممکن ہے۔ اطباء نے متفقہ طور پر پاؤں کاٹ کر الگ کر دینے کا فیصلہ سنایا۔ خلیفہ یہ سن کر گھبرا اٹھا، اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا، اس نے طبیبوں سے سفارش کی کہ کوئی اور صورت نکالیں خواہ کتنا ہی خرچ ہو۔ مال و دولت کا ڈھیر ان کے سامنے پیش کیا، لیکن وہ لوگ بے بس تھے۔

ڈاکٹر نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ وہ پیر کا اپریشن کر کے اس کو علٰحدہ کر دیں تاکہ جسم کے دوسرے حصّے اس کے اثر سے محفوظ رہ سکیں، عروہ بن زبیرؓ راضی ہو گئے اور خلیفہ بھی راضی ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے عروہ کو بے ہوش کر دینا چاہا۔ عروہ نے کہا بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ

ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو گئے جب ڈاکٹروں نے دیکھا کہ ان پر استغراقی کیفیت طاری ہو گئی تو انہوں نے اپریشن شروع کیا پہلے ایک تیز چھری کو گرم کر کے اس سے اوپر کی کھال کا اپریشن شروع کیا اور جب ہڈیوں تک پہنچے تو ایک آری سے ہڈی کو کاٹنا شروع کیا۔ عروہ تکلیف کی شدت کے باوجود ذکر تسبیح میں مصروف رہے۔ اور بالآخر ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔

خلیفہ مریض کے کمرہ میں ایک طرف بیٹھا رہا۔ اس نے مہمان کے اکرام میں اپریشن کا اپنی آنکھوں کے سامنے ہونا پسند کیا وہ برابر موجود رہا۔ لیکن آخر میں اس دردناک منظر کی تاب نہ لا کر دور ہٹ گیا۔

عروہ کو جب ہوش آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا کٹا ہوا پیر ڈاکٹروں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے پیر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے اور بے اختیار یہ کہہ اُٹھے: "سن لے اے کٹے ہوئے پیر! میں کبھی تیرے ساتھ کسی معصیت کی راہ میں نہیں چلا، اس پر خدا شاہد ہے"

خلیفہ کا جگر رنج و غم سے پارہ ہو گیا لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا اس نے ہر چند کوشش کی کہ علاج کی کوئی اور صورت نکل آئے مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا بادشاہ نے اپنے دل میں کہا۔ یہ شخص مال و جاہ کی حرص سے دور تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو غنی بنا دیا اور دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اس کے سامنے ہیچ ہو گئی۔۔۔۔

خلیفہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک چیخ نے اُس کے سلسلۂ فکر کو توڑ دیا اور خاموشی کا پردہ چاک ہو گیا۔ آواز آئی کہ شیخ عروہ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔

عروہ بن زبیر کے نوجوان عالم صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ باپ کی امیدوں کا مرکز اور آنکھوں کی ٹھنڈک محمد بن عروہ اپنے گھوڑے کے پیر تلے کچل کر انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اور عروہ بن زبیر پر مصائب و آلام کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ قریب تھا کہ وہ اس خبر کو سن کر بے قابو ہو جاتے ان کے صبر و تحمل کا پیمانہ چھلک اُٹھا، لیکن وہ سنبھل گئے۔ ایمان و صبر نے ان کی دستگیری کی۔ ایمان و صبر ہی ایسے نازک مرحلے پر کام آ سکتا تھا اور انہوں نے صرف اتنا کہا کہ "زندگی کا یہ سفر ہمارے لئے بہت گراں ثابت ہوا"

دوسرے ہی دن خلیفہ کے پاس قبیلہ عبس کا ایک وفد آ پہنچا اس وفد میں ایک اندھا شخص بھی تھا اسی سے خلیفہ نے خیریت دریافت کی تو اس نے اپنی رام کہانی یوں سنائی

"امیر المومنین ہم دورانِ سفر میں ایک رات ایک وادی میں مقیم ہو گئے۔ میرے قبیلہ میں مجھ سے زیادہ مالدار کوئی نہ تھا۔ اچانک اس وادی میں رات کو سیلاب آ گیا اور وہ میری ساری دولت اور مال و متاع بہا لے گیا۔ میری بیوی بچے اور اونٹ وغیرہ سب اسی سیلاب کی نذر ہو گئے صرف ایک اونٹ اور ایک چھوٹا بچہ باقی رہ گیا تھا یہ اونٹ ذرا سرکش تھا تو میں بچہ کو زمین پر رکھ کر اونٹ کو سدھارنے کی خاطر تھوڑی دور اس کو لے کر چلا ابھی چند ہی قدم آگے نکلا تھا کہ بچے کی چیخ سنائی دی اور وہ ایک بھیڑیے کے منہ میں نظر آیا جو اُس کو کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ادھر اونٹ آگے بڑھ گیا تھا میں نے دوڑ کر جو اُس کو پکڑنا چاہا تو اس نے میری آنکھوں پر حملہ کر دیا اور میری آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔

خلیفہ نے انتہائی تاثیر کے ساتھ یہ کہانی سن کر کہا۔ اس شخص کو عروہ کے پاس لے جاؤ۔ تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اس دنیا میں ان سے بڑھ کر ایک مصیبت زدہ موجود ہے عروہ نے اس اندھے شخص کا قصہ سنا تو ان کو اپنی مصیبت پر صبر و تسلی کا ایک اور سہارا مل گیا۔ ان کی زبان پر کلمہ شکر جاری ہوا اور اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے رونے لگا۔

(رجال من التاریخ کے ایک مضمون کا ترجمہ و تلخیص)

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمود احمد عارف ہوشیارپوری

وہ ہادیٔ کُل وہ نجمِ سُبل وہ مظہرِ شانِ لطفِ خدا
وہ جس کے تصدق خالق نے تخلیق کئے یہ ارض و سما

وہ خاتمِ نعمِ نبوت ہے سب اہلِ جہاں پر حجت ہے
در اصل وہ اصلِ نبوت ہے وہ ذات ہے مخزنِ جود و سخا

وہ فرشِ زمیں پر رہتا تھا دکھ درد عدو کے سہتا تھا
اللہ کی باتیں کہتا تھا وہ فخرِ رُسُل محبوبِ خدا

دنیا میں اندھیرا تھا ہر سُو تاریکی ہی تاریکی تھی
وہ نورِ مجسم شمسِ ہُدیٰ آیا تو جہاں پُر نور ہوا

جو لوگ سراسر گندے تھے بس حرص و ہوس کے بندے تھے
کیا فیضِ نظر بخشا اُن کو دنیا کا بنایا راہ نما

آقائے دو عالم ﷺ پر عارف اللہ کی رحمت بے پایاں
تجھ پر بھی ہے لازم حق اُن کا ہر آن کہے تو صلّے علیٰ

صدیقؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ ہیں چاروں ہی یارانِ نبیؐ
اُن سب پہ خدا کی رحمت ہو جس جس نے نبیؐ کا ساتھ دیا

سجدے میں پڑیں گے احمدؐ جب ہو جائیگا ٹھنڈا حق کا غضب
ہو جائے گی سب پہ رحمتِ رب وہ ہوں گے شفیعِ روزِ جزا

کیا کہہ گئے حضرتِ مہر علی اے عارف لکھ با حرفِ جلی
سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَحْسَنَكَ مَا اَجْمَلَكَ مَا اَمْلَكَ

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

ڈاکٹر ذاکر حسین

ڈاکٹر ذاکر حسین نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک تقریب میں یہ تقریر کی۔ (ادارہ)

جس دربار میں میں اس وقت حاضر ہوں اس کے آداب میں کم خوری اور کم خوابی کے ساتھ کم گوئی بھی ایک ادب ہے یہاں عقیدت اور محبت کے مضامین رنگین نگاہ شوق یا چشم نم سے ادا ہوں تو اچھا ہے۔ لیکن صاحب سجادہ کا ارشاد ہے کہ کچھ کہو اس لئے عقیدت کے دو پھول لفظوں کے روپ میں اس معلم و مرشد عظیم کی آرام گاہ پر چڑھاتا ہوں، جس کے فیض تربیت کے اثرات آج بھی ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ملتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے یہ دیس چھ صدیوں سے مستفیض ہو رہا ہے۔ اور آج بھی اس فیضان کا چشمۂ صافی جاری ہے۔ آج بھی بے گنتی انسانوں کے دل اس آستانہ کی طرف جھکتے ہیں اور اس سے تسکین اور تقویت اور راحت پاتے ہیں۔

محبت، خدمت اور روحانی اقدار کی چاکری کے جس پیغام کی اشاعت کا کام حضرت خواجہ اجمیریؒ نے سلسلۂ چشتیہ ہندیہ کے سپرد فرمایا تھا۔ وہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے ہاتھوں اور منظم ہوکر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی کے ہاتھوں اپنے درجۂ کمال کو پہنچا۔ آغاز کار کی دقتوں، کلفتوں اور صعوبتوں کا ذکر کیا کروں کہ شاید ایسے مقدس کام کی شرائط لازمی اور اس اہم ذمہ داری کے وسائل تربیت میں سے ہیں پھر اس وسعت اور کثرتِ فتوح کا کیا بیان کروں کہ گویا سونا برستا تھا۔ اور ہزاروں آدمی اس درویشِ سلطان صفت کے لنگر سے روز کھانا کھاتے تھے۔

دلی کے تخت پر اچھے بُرے بادشاہ بھی آتے جاتے رہے مگر اس درویشِ خدا مست کی حکومت کا حلقہ دن بہ دن بڑھتا ہی گیا مگر وہ حکمرانی کا سکہ جان و دل پر تھا عسر میں استقامت اور یسر میں رضا جوئیِ الٰہی اور خلق اللہ پر شفقت تامہ کی ایسی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں، جو اثر اور قبول عام آپ کو قدرت نے بخشا وہ کم اور کسی کے حصہ میں آتا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے کہ امیر و غریب، عارف و عاصی، بوڑھے جوان جاہل اور عالم۔ غرض ایک بے شمار مخلوق کا کیسا تانتا دہلی اور غیاث پور کے درمیان اس ذات گرامی کی وجہ سے بندھا رہتا تھا۔ کیسے سارے راستہ میں آنے والوں کی سہولت کے لئے لوگوں نے ہی کنوئیں کھدوا دئے تھے۔ راستہ میں پینے کے ٹھنڈے پانی کا کیا کیا اہتمام رہتا تھا۔ سستانے اور عبادت کرنے کے لئے جگہ جگہ چبوترے بنا دیئے تھے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مرد درویش نے کس طرح انسانوں کے دلوں کی بادشاہت پائی تھی۔

اس کا راز کیا تھا۔ اس کا راز ایک کھلا راز ہے۔ اپنی ذات کو کلیتہً اقدارِ عالیہ مطلقہ کا خادم بنا دینا ان سے اس درجہ وابستہ ہو جانا کہ قدر اور اس کے حامل کا فرق دشوار ہو جائے۔ نیکی، سچائی، اچھائی عدل، محبت، شفقت، خدمت خلق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا۔ یہی آپ نے کیا تھا۔ اصطلاح مذہب میں ان اقدارِ عالیہ مطلقہ ان اسمائے خدا کے مجموعہ کو خدا کہتے ہیں۔ وہی آپ کی زندگی کا مقصود تھا وہی معبود۔ اور آپ نے اپنے شیخ کی زبان سے ایک خاص حالت وجد میں جو الفاظ سنے تھے ؎

مقصود من خستہ ز کونین توئی

از بہر تو میرم از برائے تو زیم

وہ عمر بھر کانوں میں گونجے اور سینہ میں جمے رہے اور انہیں نے یہ حال کر دیا کہ:

"جانان مارا وجان ما جانان را"

جو آدمی ان اقدار مطلقہ کا علم بن جاتا ہے۔ اس کے دل کی وسعتوں کا کیا پوچھنا وہ ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ جاننے ماننے لگتا ہے اور اسے خواجہ اجمیریؒ کے لفظوں میں قربِ الٰہی حاصل کرنے کا موثر ذریعہ بس یہ نظر آنے لگتا ہے کہ:۔

"درماندگان را فریاد رسیدن وحاجت بے چارگان روا کردن۔ دگرسنگان را سیر گردانیدن"

درماندوں کی فریاد سننا بے لسوں کی حاجت پوری کرنا، بھوکوں کا پیٹ بھرنا۔

خواجہ اجمیریؒ ہی نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ خدا رسی کے لئے تین چیزیں درکار ہیں۔ "اوّل سخاوتے چوں سخاوت دریا۔ دوم شفقتے چوں شفقت آفتاب۔ سوم تواضع چوں تواضع زمین"۔ سخاوت دریا جیسی شفقت آفتاب جیسی۔ مہمان نوازی زمین کی سی۔ اور کون نہیں دیکھتا اور سمجھتا کہ دریا اپنی سخاوت میں۔ آفتاب اپنی شفقت میں اور زمین اپنی تواضع میں ذات پات مذہب و شرب نسل و زبان کی تفریقیں نہیں کرتے۔

خواجہ اجمیری کے یہ مطالبے محبوب الٰہی کی زندگی میں پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر کون نہیں جانتا اور کس نے نہیں دیکھا ہے کہ سخاوت شفقت اور تواضع کی صفتوں کے موجود ہوتے ہوئے بھی دین اور مذہب کا فرق لوگوں کے دلوں کو ایک دوسرے کی طرف سے بند کر دیتا ہے۔ جوڑنے کی جگہ توڑنے، ملانے کی جگہ جدا کرنے لگتا ہے، لیکن ان نفوس قدس کا یہ حال نہیں اور ہوتا بھی کیسے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی ذات گرامی میں جمال شان کا مظہر اتم نظر آتا ہے۔

آپ کا دل انسانی ہمدردی سے لبریز تھا۔ آپ کی تعلیم و ارشاد کی خصوصیت توضیح روحانی قدروں کا تحفظ ہمدردی اور انسان دوستی تھی۔ جب آپ نے ارشاد فرمایا

"ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے"

اور آپ کے دلدادہ، عاشق اور چہیتے محبوب خسرو نے ان کے روح پاک پر خدا کی رحمتیں ہوں فوراً دوسرا مصرعہ عرض کیا کہ ؎

"ما قبلہ راست کردم بطرف کج کلاہے"

تو یہ خالی مصرعہ لگانا نہ تھا، اس میں شاعر کے اس یقین و ایمان کا اعلان تھا کہ جو بات آپ نے فرمائی ہے۔ جس رواداری کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔ آپ کی ذات قدس خود اس کا علم ہے اس لئے مرشد دلنواز، کج کلاہ کی پیروی ہی اس قدر کی تکمیل کی ضامن ہے۔

پھر بھی لیسا اوقات ہوتا ہے کہ آدمی وسیع القلب بھی ہے، مذہبی رواداری بھی رکھتا ہے۔ مگر جب کسی سے ذاتی پرخاش ہو جائے، کوئی شخص بغض و عناد سے

برسرِ پیکار ہو تو اس وقت شفقت کا دروازہ بند رہتا ہے اور قلب کی وسعت میں تنگی کی گنجائش نکلنے لگتی ہے، اس باب میں بھی حضرت محبوب الٰہی کا مسلک خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ کسی مصرعہ موزوں کرنے والے کا نہیں ایک صدق وخلوص کی مجسم دلی دعا ہے جس کے پورے وزن کو سمجھنا چاہئیے فرماتے ہیں کہ:

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
وانکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ او در راہ ما خارے نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشکفد بے خار باد

ہاں آخر میں ایک بات اور عرض کر دوں۔ یہ اقدار عالیہ کی غیر مشروط چاکری۔ یہ وسعت مشرب یہ دشمن کو دعائیں دے کر دوست بنا سکنے کا ہنر یہ سب کسی صاحب کمال میں ہوں مگر ہو سکتا ہے کہ بس اس کے ساتھ ختم ہو جائیں۔ کمال شخصی کے لئے لازم تو نہیں کہ متعدی بھی ہو۔ دوسرے تک بھی پہنچے۔ لیکن خدمتِ خلق میں سچے دل سے لگنے والے جانتے ہیں کہ یہ کام کسی ایک کے نمٹائے نہیں نمٹتا، چاہے وہ ایک کتنا ہی عظیم المرتبت ہو۔ یہ کام کسی ایک زمانہ میں ختم نہیں ہو جاتا۔ یہ ہمیشہ کئے جانے اور ہوتے رہنے کا کام ہے۔ اس کے لئے دوسرے کام کرنے والے تیار کرنے ہوتے ہیں۔ اپنی جیسی شخصیتیں بنانی ہوتی ہیں۔ میں نے اپنی جیسی شخصیتیں ذرا ٹھیک نہیں کہا۔ اس لئے کہ شخصیتیں تو کوئی دو بالکل ایک سی نہیں ہوتیں۔ ہر شخصیت اپنی یکسو انفرادیت کی اساس پر ہی اپنی گوناگوں صلاحیتوں اور استعدادوں سے متعین ہوتی ہے۔ لیکن سب اخلاقی شخصیتیں چاہے استعداد اور صلاحیت میں کتنی ہی مختلف ہوں رخ ایک ہی رکھتی ہیں، کس قدر اخلاق کی سیوا کی۔ اسٹ لگن۔ شخصیت کی تعمیر کے اس کام کو جس خوبی اور یکسوئی سے اکابر صوفیہ نے انجام دیا ہے اس کی مثال تاریخ میں کم ملے گی۔ ہر آنے والی نسل کو اگر وہ اقدار اخلاقی کے خادموں سے اپنے کو بے نیاز نہ سمجھنے لگے تو یہ کام کرنا ہے، ہمیں بھی کرنا ہے۔ اس میں ہم ان بزرگوں سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ بالخصوصیت کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کی زندگی سے جنہوں نے اخلاقی شخصیتوں کو گڑھ گڑھ کر ملک کے کونے کونے میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور اخلاقی اور روحانی زندگی کے احیاء کا ایک ایسا نظام قائم کر دیا کہ حیرت ہوتی ہے۔

دوستو! ہمیں ان نفوس قدسی سے ان کی یہی خصوصی صفتیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ ان کے دم جان بخش سے اپنے سینوں کی بجھلاتی آگ کو دہکانا چاہئیے۔ کشف و کرامات کے تجسس میں جس کا دل لگتا ہے، وہ ضرور ان کی تلاش ان بزرگوں میں کرے، لیکن ان کے افکار و کردار کے اس انمول خزانہ کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئیے۔ جس سے انہوں نے انسانی زندگی کو مالا مال کیا ہے۔ ان کے تصرفات فکری و روحانی سے کسب فیض کرنا چاہئیے۔ ایسا نہ سمجھے کوئی کہ یہ لوگ آج ہم میں نہیں ہیں۔ ہر طلب گار صادق کے سینہ میں یہ کشتگان خنجر تسلیم پھر سے زندہ اور اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

بچوں کا صفحہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

محمد سرور

رسولِ پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اور آپؐ کی پیروی اسلام کی ضروری شرط۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ "اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے اور تم سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ معاف کر دے۔"

آپؐ کی زندگی میں آپؐ کے صحابہؓ اور ساتھی آپؐ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ آپؐ کے سامنے خاموش بیٹھتے۔ آپؐ جو کچھ فرماتے اُسے پوری توجہ سے سنتے۔ آپؐ کی اجازت کے بغیر آپؐ کی مجلس سے اُٹھ کر نہ جاتے۔ اپنے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ آپ کو عزیز جانتے۔ آپؐ کے حکم پر ہر وقت جان دینے کو تیار رہتے۔

رسول پاکؐ جس سے ناراض ہوتے۔ آپؐ کے صحابہ اس سے ناراض ہو جاتے۔ خواہ وہ اُن کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوتا۔ اور جس پر آپؐ راضی ہوتے۔ آپؐ کے صحابہؓ اس سے راضی ہو جاتے۔ خواہ وہ اُن کا بڑے سے بڑا دشمن ہی کیوں نہ ہوتا۔

رسول پاکؐ کے صحابہؓ اور آپؐ کے ساتھیوں نے آپؐ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے، ماں باپ چھوڑے، عزیز و اقارب کو چھوڑا، وطن سے بے وطن ہوئے، اپنوں سے لڑے، باپوں، بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھائی، آپؐ کی خاطر جانیں دیں اور اپنے آپ کو آپؐ پر نثار کر دیا۔

آپؐ سے صحابہؓ کی محبت کا یہ حال تھا۔ کہ ایک دفعہ ایک جنگ میں ایک صحابی عورت کے باپ، بھائی اور خاوند تینوں شہید ہو گئے۔ جب اسے اُن کی شہادت کی خبر دی گئی تو وہ کہتی تھی کہ مجھے رسول اللہؐ کی بات بتاؤ۔ وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ خدا کے فضل سے صحیح و سلامت ہیں۔ کہنے لگی۔ مجھے دکھا دو۔ جب اُس نے دُور سے آپؐ کا چہرہ مبارک دیکھ لیا تو بے اختیار کہہ اٹھی:۔

"اب ہر مصیبت برداشت کی جا سکتی ہے۔"

اسی جنگ میں ایک موقع پر رسول پاکؐ دشمنوں میں گھر گئے۔ اُن بدبختوں نے آپؐ پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ ایک صحابی حضرت طلحہؓ نے جو دیکھا تو فوراً آگے بڑھے اور رسول اللہؐ کی طرف آنے والے تیر اپنے ہاتھ پر روکے جس سے ہاتھ ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا۔

صحابہؓ سے محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے صحابہؓ اور ساتھیوں کو جس قدر محبت تھی اور جس طرح وہ آپؐ پر جان چھڑکتے تھے اس کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ آپؐ کے صحابہؓ ہی تھے جو آپؐ کی زندگی میں آپؐ کے دست و بازو بنے۔ اور جنھوں نے اسلام کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑائیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ ہی نے آپؐ کی جلائی ہوئی مشعل کو بجھنے نہ دیا۔ اور ساری دنیا کو اس سے روشن کر دیا۔

رسولِ پاکؐ نے اپنے صحابہؓ کی خود تربیت فرمائی تھی۔ وہ آپؐ کے صحیح شاگرد تھے، اور ان کی زندگیاں آپؐ کی تعلیم کا سچا نمونہ تھیں آپؐ نے فرمایا کہ "میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو۔"

ہم تک اسلام صحابہؓ ہی کے ذریعے پہنچا ہے۔ صحابہؓ نے جس طرح آپؐ کی زندگی میں اسلام کی حفاظت کی تھی۔ اسی طرح آپؐ کے بعد اس کی حفاظت کی۔ اور اسے صحیح شکل میں ہم تک پہنچایا۔ صحابہؓ کے حق میں رسول پاکؐ کا ارشاد ہے۔ کہ "میرے صحابی ستاروں جیسے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے۔ سیدھی راہ پر پہنچ جاؤ گے۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ "سب سے بہتر زمانہ میرا ہے"۔ یہ زمانہ آپؐ کا اور آپؐ کے صحابہؓ کا تھا اور اسلام میں بہترین زمانہ یہی ہے۔ اور اسی کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یہ زمانہ ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور اس زمانے کی عزت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس زمانے کی عزت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم رسول پاکؐ اور آپؐ کے صحابہ کی عزت کریں۔ اور ان کے اعمال کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔

قرآن پاک میں صحابہؓ کا بار بار ذکر آیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے "محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں بڑے مہربان۔ تم اُن کو رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے اور وہ اللہ کی رضامندی اور خوشی کے حاصل کرنے میں لگے ہوں گے۔"

ایک اور جگہ اللہ تعالےٰ نے صحابہؓ کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:۔

"جو مکہ سے ہجرت کرنے والوں (مہاجرین) اور مدینہ میں پناہ دینے والوں (انصار) میں سے پہلے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جنھوں نے اُن کی سچے دل سے پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہوا۔ اور وہ اللہ تعالےٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان کے لئے دوسرے جہان میں طرح طرح کی نعمتیں پیدا کر رکھی ہیں۔"

اللہ تعالےٰ نے کئی اور جگہ قرآن مجید میں صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ خود رسولِ پاکؐ نے صحابہؓ کی تعریف میں بہت کچھ فرمایا ہے آپؐ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ۔ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھتا ہے۔ اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ جس شخص نے اُن کو اذیت دی، اُس نے مجھے اذیت دی۔

اہل بیت سے محبت

تم پڑھ چکے ہو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے آپؐ کے ساتھ محبت رکھنے والا آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ بھی محبت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح آپؐ کے اہل بیت (خاندان والوں) کے ساتھ بھی۔ آپؐ کو اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، اُن کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے چچازاد بھائی اور داماد

(باقی ص۱۸ پر)

۱۶ نومبر ۶۲ء ۱۹

۲۰

خدام الدین لاہور

ایڈیٹر
عبید اللہ انور

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل
نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور بحین بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

... دفتر خدام الدین اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہوا